ر کا العدد ۳
جماعت اسلامی
کا ماضی اور حال
تقریر
مولوی دوست محمد صاحب شاہد
۲۶ دسمبر ۱۹۶۳ء
شعبہ اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ مقامی ربوہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

پیش لفظ

(از قلم حضرت صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

فی زمانہ اسلام سے سچی ہمدردی رکھنے والوں کے لئے ایک نہیں بلکہ دو غم ہیں۔ ایک تو یہ کہ دینِ حق کی ہمدردی رکھنے والے اور اس کی حفاظت کے لئے قربانی کرنے والے بہت کم لوگ ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ وہ لوگ جو اسلام کی حفاظت کا دم بھرتے ہیں وہ خود اس کی شارعِ عزیز پہ ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ اور اسلام کو اپنی نفسانی اغراض کی خاطر ایسی شکل میں پیش کرتے ہیں جو اپنوں اور غیروں کو اسلام سے متنفر کرنے والی ہے۔ اسلام کے حقیقی دشمن یہی لوگ ہیں۔ جن کے متعلق خدا تعالیٰ

فرماتا ہے۔ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ کہ یہی اصل دشمن ہیں۔ ان سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اور ان ہی لوگوں کو چوبِ خشک قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ۔ یعنی بعض لوگ اسلام کی محبت کے اور آنحضور محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کے بڑے بڑے دعاوی کرتے ہیں دیکھنے میں بڑے باوقار معلوم ہوتے ہیں اور باتیں بھی بظاہر بڑی اچھی کرتے ہیں۔ جو جاذبِ توجہ ہوتی ہیں۔ مگر روحانیت سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ان کی مثال اس چوبِ خشک کی ہے جسے سہارا دے کر کھڑا کر دیا جائے۔ جس طرح وہ لکڑی درخت نہیں بن جاتی۔ اور شیریں اور نفع مند میوے نہیں اُگاتی اور اس کے سایہ میں تھکے ہارے پناہ نہیں لے سکتے۔ اسی طرح ان اسلام کے بزعمِ خود ٹھیکہ داروں کا بھی حال ہے۔ کہ روحانیت سے عاری ہوتے ہیں۔ کوئی روحانی اور اخلاقی فیض کسی کو نہیں پہنچا سکتے۔ انسانی ہمدردی اور خدا اور رسول کی سچی محبت اور اخلاص سے ان کے دل خالی ہوتے ہیں۔ ایمان کے شیریں ثمار یعنی تعلّق باللہ۔ دعاؤں کی قبولیت۔ نصرتِ الٰہی۔ خدا تعالیٰ کی معیّت اور فیض رسانی جو خدا کے اولیاء کی نشانی ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت کے ان مدّعیین میں پائی نہیں جاتی۔ جو اس بات کا ثبوت

ہوتی ہے کہ یہ لوگ خدا اور اس کے رسُول کا نام لے کر اپنے گھر بھرنا چاہتے ہیں۔ اور اسلامی حکومت کے نعرے لگا کر خود حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ان کے مدّنظر خدا کی حکومت ہوتی تو اللہ والوں کی صفات اور خدا کی محبّت میں فنا ہونے والوں میں سے جو اخلاص و محبّت کی خوشبو آتی ہے۔ وہ ان میں سے بھی آتی۔ اور ان کے چہروں پر بھی خدا کا نور چمکتا دکھائی دیتا۔

زیرِ نظر کتاب "جماعت اسلامی کا ماضی وحال" ایک ایسی ہی جماعت اور اس کے امیر کے دعاوی کا "تنقیدی جائزہ" ہے۔ جو برادرم مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد نے بڑی محنت اور کاوش سے لکھا ہے۔ اس کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ آیا یہ جماعت شجرۂ طیّبہ کی مثال ہے۔ جو خدا کے حکم سے ہر وقت ایمان اور اخلاص کے پھل دیتا ہے۔ یا وہ چوبِ خشک ہے جس سے کسی کو کوئی برکت اور نفع حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ باغِ محمدی کے حُسن میں داغ لگانے والی ہے۔

میں پاکستان کے تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ سے توقع کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو غور سے پڑھیں گے۔ اور نہ صرف خود اس سے استفادہ کریں گے۔ بلکہ اپنے حلقۂ احباب میں بھی اس

کی اشاعت کریں گے۔ تاکہ ملک کا جوان طبقہ ان عناصر کے خلاف صف آراء ہو جائے۔ جو اسلام کا پاک نام استعمال کرکے اپنی ذات کے لئے وجاہت اور حکومت چاہتے ہیں۔

والسّلام

کالعدم

"جماعت اسلامی کا ماضی اور حال"

الناشر

شعبہ اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ مقامی۔ ربوہ

فہرست

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ٘ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى٘ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ ع آیت)

تمہید حضرات! یہ آیت کریمہ جو میں نے ابھی تلاوت کی ہے۔ ہر مسلمان کیلئے مشعلِ راہ ہے۔ اور اس میں یہ تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔ کہ اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! محض اللہ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر حق و انصاف کی شہادت دینے کے لئے کمر بستہ ہو جاؤ۔ اور یاد رکھو کسی قوم سے نظریاتی اختلاف اور عداوت تمہیں دامنِ انصاف چھوڑ دینے پر آمادہ نہ کر دے۔ ہمیشہ عدل و انصاف سے کام لو۔ کہ یہی تقویٰ کے سب سے زیادہ قریب راہ ہے۔ متقی بن جاؤ۔ بلاشبہ خدا تعالےٰ تمہارے جملہ اعمال سے پوری طرح واقف اور باخبر ہے۔

خدا تعالیٰ کے اس واضح ارشاد کی تعمیل میں اس وقت مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے حق و اعتدال کی راہ سے ہی عرض کرنا ہے۔ خدا گواہ ہے ہم ہر شخص، ہر قوم، اور ہر جماعت کے خادم ہیں۔ چنانچہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ؎

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اس پہ قرباں ہے

اور خصوصاً مسلمانوں کے بارے میں تو حضورؑ کا مسلک یہ ہے کہ ؎

اے دل تو نیز خاطرِ اینان نگاہ دار
کآخر کنند دعوئ حُبِّ پیمبرم

پس کسی مخصوص شخصیت یا مخصوص گروہ کو براہِ راست ہدفِ تنقید بنانا ہمارا شیوہ نہیں۔ ہم صرف اور صرف غلط اور باطل اور گمراہ کن نظریات و افکار کے مخالف ہیں۔ اور اس کے لئے حکمت اور موعظہ حسنہ سے علمی اور قلمی جہاد کرنا اپنا فرضِ اولین سمجھتے ہیں۔ پھر ہم وہ نہیں جو یہ کہتے ہوں۔ کہ اگر فلاں مسلم لیگ کی طرف سے کوئی فرشتہ بھی بطور امیدوار کھڑا کر دیا جائے۔ تب بھی ہم اس کی حمایت نہیں کریں گے (امروز ۲۰ر اگست ۱۹۶۳ء صفحہ ۷) بلکہ ہم وہ ہیں، جن کا نعرہ خدا کے فضل سے اپنے آقا و مولےٰ فخرِ کائنات سید الموجودات تاج المرسلین خاتم النّبیّین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں فقط یہ ہے کہ قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ (الزخرف ع ۷) یعنی اگر خدائے رحمان کا کوئی

بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اس کی پرستش کرتا۔

امیر جماعت اسلامی جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کو اعتراف ہے کہ ان کی جماعت "الجماعۃ" نہیں کہلا سکتی۔ (شہادتِ حق صفحہ ۳۱)

اسی طرح ان کا یہ بھی فرمان ہے کہ "لوگ اسلام سے انحراف کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کا نظریہ اب یہ ہو گیا ہے کہ مسلمان جو کچھ بھی کرے وہ اسلامی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اگر اسلام سے بغاوت بھی کرے تو وہ اسلامی بغاوت ہے۔ یہ (سودی) بینک کھولیں تو اس کا نام اسلامی بینک ہو گا۔ یہ انشورنس کمپنیاں قائم کریں گے تو وہ اسلامی انشورنس کمپنی ہو گی۔ یہ جاہلیت (غیر اسلام) کی تعلیم کا ادارہ کھولیں تو وہ مسلم یونیورسٹی، اسلامیہ کالج، یا اسلامیہ اسکول ہو گی۔ ... انکی کافرانہ ریاست کو اسلامی ریاست کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔ ان کے فرعون اور نمرود اسلامی بادشاہ کے نام سے یاد کئے جائیں گے۔ ان کی جاہلانہ زندگی اسلامی تہذیب و تمدن قرار دی جائے گی۔ ان کی موسیقی و مصوری اور بت تراشی کو اسلامی آرٹ کے معزز لقب سے ملقب کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ یہ سب سوشلسٹ بھی ہو جائیں تو مسلم سوشلسٹ کے نام سے پکارے جائیں گے۔ ان سب ناموں سے آپ آشنا ہو چکے ہیں۔ اب صرف اتنی کسر باقی ہے کہ اسلامی شراب خانے، اسلامی قحبہ خانے اور اسلامی قمار خانے جیسی اصطلاحوں سے بھی آپ کا تعارف ہو جائے۔" (سیاسی کشمکش حصہ سوم طبع اول صفحہ ۲۷)

اس طویل اقتباس کے پیش کرنے کا مقصود صرف یہ ہے کہ جب امیر جماعت

اسلامی کی نظر میں "اسلامی" کا لفظ ہر مسلمان بے دریغ استعمال کر سکتا ہے اور کر رہا ہے تو ان کی جماعت کو (جسے وہ پارٹی کا مترادف لفظ سمجھتے ہیں) ("مسئلہ قومیت" صفحہ ۱۰) آخر کیوں اسلامی کہلانے کے حق سے محروم کیا جائے؟ یقیناً اس نوع کی قدغن لگانا بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ لہٰذا میں اپنی تقریر میں جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی پارٹی کو "جماعتِ اسلامی" ہی کے نام سے یاد کروں گا۔ اور کوشش کروں گا کہ آپ کی خدمت میں از خود کچھ کہنے کی بجائے زیادہ تر جماعت اسلامی کے لٹریچر ہی سے اپنے موضوع کا خاکہ پیش کروں۔ اور اس پر تبصرہ ناظرین پر چھوڑ دوں کہ اس کی ذمہ داری شاید اتنی مجھ پر نہیں جتنی آپ پر ہے۔ جماعتِ اسلامی[1] کی یہ خدمت سرانجام دیتے ہوئے میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ ؎

انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی
انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات اُن کی

جنابِ سید ابوالاعلیٰ کے خاندانی کوائف

حضرات! "جماعت اسلامی" کے بانی جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی دہلی کے ایک سادات خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی مفصل خود نوشت سوانح حیات میں تحریر فرمایا ہے:۔

"میرا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جس میں تیرہ سو برس تک سلسلہ

---

[1] اب یہ جماعت غیر آئینی قرار پا چکی ہے۔ (ناشر)

ارشاد و ہدایت اور فقیری و درویشی جاری رہا ہے۔ ساداتِ اہلِ بیت کی ایک شاخ تیسری صدی ہجری میں ہرات کے قریب ایک مقام پر آکر آباد ہوئی تھی۔ "یہ چشت" کے نام سے تمام دنیا میں مشہور ہوئی۔ اسی خاندان کے نامور بزرگ حضرت ابو احمد ابدال چشتیؒ (متوفی ۳۵۵ھ) حضرت حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ انہی سے صوفیہ کا مشہور سلسلہ چشتیہ جاری ہوا ہے۔ ان کے نواسے اور جانشین حضرت ناصر الدین ابو یوسف چشتیؒ (متوفی ۴۵۹ھ) سادات کی ایک دوسری شاخ سے تعلق رکھتے تھے جس کا سلسلہ نسب امام علی نقی علیہ السلام کے واسطے سے امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ حضرت ناصر الدین ابو یوسف کے فرزند اکبر حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ (متوفی ۵۲۷ھ) تھے جو تمام سلاسلِ چشتیہ ہند کے شیخ الشیوخ اور خاندانِ مودودیہ کے مورث ہیں۔

...... خاندانِ مودودیہ کی جس شاخ سے میرا تعلق ہے۔ وہ نویں صدی ہجری کے اواخر سے ہندوستان میں آباد ہے اس شاخ کے پہلے بزرگ جنھوں نے ہندوستان میں مستقل سکونت اختیار کی حضرت ابوالاعلیٰ مودودی (متوفی ۹۳۵ھ) تھے۔ وہ سکندر لودی کے زمانے میں چشت سے ہندوستان آئے اور کرنال کے قریب قصبہ براس میں مقیم ہوئے شاہ عالم کے زمانہ میں یہ خاندان مستقلاً دہلی میں آباد ہوا۔"
("مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں" صفحہ ۳۱-۳۲)

پھر لکھتے ہیں :-

"ننھیال کی طرف سے میں ترکی الاصل ہوں ۔ میرے نانا میرزا قربان علی بیگ خاں سالک گو خود شاعر اور صاحب قلم تھے مگر پشتہا پشت سے ان کا پیشۂ آباء سپہ گری تھا" (ایضاً ص۳۳۔۳۴)

آپ نے یہ تفصیل محض اپنے سوانح بیان کرنے کی غرض سے دی ہے ۔ ورنہ آپ اپنے ایک رسالہ "مسلمانوں کا ماضی و حال" میں گزشتہ صوفیا اور پیشہ ور سپہ گروں کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"صوفیا کا حال دیکھئے تو چند پاکیزہ ہستیوں کے سوا جنہوں نے اسلام کے حقیقی تصوّف پر خود عمل کیا اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی ۔ باقی سب ایک ایسے تصوّف کے معلم و مبلّغ تھے جس سے اشراقی اور ویدانتی اور مانوی اور زردشتی فلسفوں کی آمیزش ہو چکی تھی اور جس کے طریقوں میں جوگیوں اور راہبوں اور اشراقیوں اور رواقیوں کے طریقے اس طرح مل جل گئے تھے ۔ کہ اسلام کے خالص عقائد و اعمال سے ان کو مشکل ہی سے کوئی مناسبت رہ گئی تھی پھر جب اگلوں کے بعد پچھلے ان کے سجادوں پر بیٹھے تو انہوں نے میراث میں دوسری املاک کے ساتھ اپنے بزرگوں کے مرید بھی پائے اور ان سے تربیت و ارشاد کی بجائے صرف نذرانوں کا تعلق باقی رکھا ۔ ان خلفوں کی تمام تر کوشش پہلے بھی یہ رہی ہے اور آج بھی ہے کہ جہاں جہاں بھی ان کی پیری و پیرزادگی کا اثر پھیلا ہوا ہے وہاں دین کا صحیح علم

کسی طرح نہ پہنچنے پائے ۔ کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ عوام الناس پر ان کی خداوندی کا طلسم اسی وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک وہ اپنے دین سے جاہل رہیں ۔ یہ تھی ہماری مذہبی حالت جس نے انیسویں صدی میں ہم کو غلامی کی منزل تک پہنچانے میں بڑا حصہ لیا ۔ اور آج اس آزادی صبح آغاز میں بھی یہی حالت اپنی پوری قباحتوں کے ساتھ ہماری دامنگیر ہے ۔ اب اخلاقی حیثیت سے دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عام طور پر اس زمانے میں ہمارا طبقۂ متوسط جو ہر قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہوتا ہے مسلسل اخلاقی انحطاط کی بدولت بھاڑے کا ٹٹو (cement [illegible]) بن کر رہ گیا تھا ۔ اس کا اصول یہ تھا کہ جو بھی آجائے اُجرت پر اس کی خدمات حاصل کرے اور پھر جس مقصد کے لئے چاہے اس سے کام لے ......

ہماری اسی اخلاقی کمزوری سے ہمارے ہر دشمن نے فائدہ اٹھایا خواہ وہ مرہٹے ہوں ، سکھ ہوں ، فرانسیسی ہوں یا ولندیزی ۔ آخر کار انگریز نے آکر خود ہمارے ہی سپاہیوں کی تلوار سے ہم کو فتح کر لیا ۔ اور ہمارے ہی ہاتھوں اور دماغوں کی مدد سے ہم پر حکومت کی ۔ ہماری اخلاقی حس اس درجہ کند ہو چکی تھی کہ اس روش کی قباحت سمجھنا تو درکنار ہمیں الٹا اس پر فخر تھا چنانچہ ہمارا شاعر اسے اپنے خاندانی مفاخر میں شمار کرتا ہے ۔ ؎

سو پشت سے ہے پیشۂ آباء سپہ گری

حالانکہ کسی شخص کا پیشہ ور سپاہی ہونا حقیقت میں اس کے اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے لئے **باعثِ ننگ ہے نہ کہ باعثِ عزت۔** . . . . جب وہ اپنی قوم کے دشمنوں کے ہاتھ خود اپنے آپ کو بیچ سکتے تھے تو . . . . کیوں وہ ابن الوقت اور چڑھتے سورج کے پرستار نہ ہوتے؟ اور کیوں ان میں یہ وصف پیدا نہ ہوتا کہ جس کے ہاتھ سے انہیں تنخواہ ملتی ہو اس کے لئے وہ اپنے ایمان و ضمیر کے خلاف سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے ملازمت پیشہ طبقے کی اکثریت آج جن اوصاف کا اظہار کر رہی ہے وہ کوئی اتفاقی کمزوری نہیں ہے . . . . . بلکہ اس کی جڑیں ہماری روایات میں گہری جمی ہوئی ہیں۔"

("مسلمانوں کا ماضی و حال" از جناب مودودی ص۱۲ طبع دوم)

جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے والد ماجد مولوی سید محمد احسن صاحب تھے جو ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے دو سال پہلے دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے بالکل ابتدائی دور کے طالب علموں میں سے تھے۔

("مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں" ص۳۴)

کچھ عرصہ آپ الٰہ آباد جا کر وکالت کی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے (ایضاً ص۳۵) جو جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی نگاہ میں **قانونِ الٰہی کے خلاف کھلی بغاوت ہے اور "زنانِ بازاری" کے بعد دوسرے نمبر پر ہے** چنانچہ آپ رسائل و مسائل میں فرماتے ہیں:۔

"وکالت . . . . . قانونِ الٰہی کے خلاف کھلی بغاوت ہے اس کے مقابلہ میں اگر کسی دوسرے پیشہ میں کچھ حرام کی آمیزش ہو بھی تو بہرحال وہ بغاوت سے تو کم درجہ ہی کا گناہ ہے۔ تجارت، زراعت، صنعت و حرفت، مزدوری، پرائیویٹ فرموں کی ملازمت اور اسی قسم کے دوسرے پیشوں میں ایسی صورتیں بہم پہنچ سکتی ہیں جن کے اندر کم سے کم ناگزیر معصیت کی حد پر آدمی قائم رہ سکتا ہے۔ اور وہ کم سے کم اس درجہ میں تو حرام نہیں ہیں جس درجہ کی یہ وکیلانہ بغاوت حرام ہے۔"

نیز تحریر فرماتے ہیں:۔

"کاسبِ حرام کی دو نوعیتیں ہیں۔ ایک وہ جس کا پیشہ **فحشاء کی تعریف میں آتا ہے۔ مثلاً زنانِ بازاری کا کسب۔ اس کے قریب جانا بھی جائز نہیں کجا اس کے ہاں نوکر ہونا۔ دوسرا کاسبِ حرام وہ ہے جس کا پیشہ حرام تو ہے مگر فحشاء کی تعریف میں نہیں آتا جیسے وکیل۔"** (ص۱۳۷، ۱۳۸ طبع اول)

جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے والد بزرگوار مولوی سید احمد حسن صاحب وکالت کے لئے ۱۸۹۶ء میں حیدرآباد دکن میں تشریف لے گئے جس کے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب مودودی صاحب نے اپنی کتاب "دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ" میں بالتفصیل لکھا ہے کہ ریاست کے حکمرانوں نے ۱۸۵۷ء اور ۱۹۱۴ء میں اپنی پوری قوت انگریزوں کی امداد و اعانت میں صرف کر دی۔ اور انھیں کی مدد سے سلطنتِ برطانیہ

ہندوستان میں از سرِ نو مستحکم ہوئی۔ (ص۱۴۰)

اس دعویٰ کی تفصیل میں آپ نے مزید لکھا کہ

"اعلیٰحضرت میر عثمان علی خان بہادر مسند آرائے سلطنت ہوئے۔ آپ کے زمامِ امورِ سلطنت ہاتھ میں لینے کے تین ہی سال بعد وہ جنگِ عظیم برپا ہوئی۔ کہ جس میں انگریزی حکومت کے لئے زندگی و موت کا سوال درپیش تھا۔ اس نازک وقت میں مسلمانوں کے لئے سلطنتِ برطانیہ کا وفادار رہنا سب سے زیادہ مشکل تھا۔ کیونکہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت جس کے بادشاہ کو تمام مسلمان اپنا امام سمجھتے تھے برطانیہ کے خلاف برسرِ پیکار تھی۔ اور وہ ممالک اعمالِ جنگ کی زد میں تھے جن کی تعظیم و تکریم ہر مسلمان کا جزوِ ایمان تھی۔ لیکن اس موقع پر اعلیٰحضرت میر محبوب علی خان بہادر نے سلطنتِ برطانیہ کے ساتھ وہ وفاداری برتی۔ جو اس سلطنت کے تمام دوستوں کی وفاداری سے زیادہ قیمتی اور خود اعلیٰحضرت کے پیشروؤں کی وفاداریوں پر بھی فائق تھی۔ ایک طرف حضور ممدوح نے اپنے اس اخلاقی و روحانی اثر کو استعمال کیا۔ جو انہیں ہندوستان کے مسلمانوں پر حاصل تھا اور مسلمانوں کو پورے زور کے ساتھ تلقین کی کہ وہ سلطنتِ برطانیہ کے مواعید پر بھروسہ کرکے اس کی وفاداری پر ثابت قدم رہیں۔ یہ اخلاقی امداد اس قدر مؤثر ہوئی۔ کہ خود انگریزی سلطنت کے اربابِ حل و عقد کو اعتراف ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے جن اثرات کے

ماتحت جنگ میں سلطنت کی امداد کی۔ ان میں سب سے زیادہ حصہ اعلیٰحضرت نظامِ دکن کا تھا۔ دوسری طرف اعلیٰحضرت نے اپنی سلطنت کے تمام ذرائع دولتِ برطانیہ کے لئے وقف کر دیئے۔"

"دورانِ جنگ سرکارِ عالی کے تمام کارخانے سامانِ حرب کی تیاری کے لئے وقف رہے۔ اور چار سال کی مدت میں انہوں نے ۹ لاکھ روپے کا سامان سلطنتِ برطانیہ کے لئے مہیا کیا۔ اعلیٰحضرت نے اپنی عزیز رعایا کو ہزاروں کی تعداد میں بھرتی کرکے میدانِ جنگ میں جانیں قربان کرنے کے لئے بھیجا۔ آغازِ جنگ سے اختتام تک دولتِ آصفیہ کی باضابطہ فوجِ جنگ کی عملی خدمات سرانجام دیتی رہی۔ اور اس کا خرچ سرکارِ نظام نے اپنے خزانے سے دیا۔ حکومتِ ہند کی شدید مشکلات کے زمانے میں پچاس لاکھ روپے کی چاندی کی اینٹیں مستعار دے کر اس کی مالی ساکھ کو بحال کیا۔ اور اسی طرح کی بیش قیمت اور مخلصانہ امانتوں کی بدولت یہ سخت وقت سلطنتِ برطانیہ پر سے ٹل گیا۔ جس میں اس کا برباد ہو جانا کوئی مشتبہ نہ تھا۔"

("دولتِ آصفیہ اور حکومتِ برطانیہ" ص۱۶۱ تا ۱۶۳)

جنابِ مودودی صاحب کی ولادت اور ابتدائی ایام

مولوی سید احمد حسن صاحب کو ریاست حیدرآباد میں قیام پذیر ہوئے جب ساتواں برس ہوا۔ تو ان کے ہاں ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء کو جنابِ غیرت اسلامی

کے موجودہ امیر جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی پیدا ہوئے (مکاتیب زنداں ص۳)

جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کا بچپن کس صورت سے گزرا؟ اس پر مناسب ہے کہ خود آپ ہی کے قلم سے روشنی ڈالی جائے۔ فرماتے ہیں:-

"میں اپنے گھر میں سب سے چھوٹا تھا۔ میرے ایک بھائی مجھ سے تین چار برس بڑے تھے۔ مجھے کھانے کی جو چیز ملتی تھی۔ اُسے میں فوراً کھا لیتا تھا۔ مگر بھائی صاحب سنبھال کر کسی اچھے وقت پر کھانے کے لئے اٹھا رکھتے تھے اسی طرح جو پیسے مجھے ملتے تھے ان کو بھی فوراً خرچ کر ڈالتا تھا۔ اور بھائی صاحب انہیں جمع کر کے کبھی کوئی اچھی چیز خرید لاتے تھے۔ بس یہ میرے اور ان کے درمیان جھگڑے کی بنیاد تھی۔ میں ہمیشہ ان کے حصّہ میں سے اپنا حق وصول کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور وہ ہمیشہ تھوڑی دیر تک مقابلہ کرنے کے بعد کچھ نہ کچھ میرے حوالے کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اوّل اوّل تو میں سمجھا کرتا تھا۔ کہ اس طرح میں انہیں شکست دیکر مالِ غنیمت حاصل کرتا ہوں ــ مگر بعد میں مجھ کو معلوم ہوا۔ کہ بڑے بھائی کو مجھ سے محبت ہے۔ اور انہیں خود بھی اس میں مزا آتا ہے کہ میں لڑ بھڑ کر ان سے اپنا حصّہ وصول کر لیا کروں۔ اس طرح میں والدین کے عطیّوں میں سے ۷۵ فیصدی کا مالک ہوتا تھا پچاس فیصد اپنے حساب میں سے اور ۲۵ فیصد بڑے بھائی صاحب کے حساب میں سے۔

مشہور بات تو یہ ہے "سگ باش برادرِ خورد مباش" یعنی چھوٹا بھائی بننے سے کتا بننا بہتر ہے۔ مگر میرا تجربہ اس کے خلاف ہے۔"

نیز لکھتے ہیں:-

"میرے والدِ مرحوم نے میری تربیت بڑے اچھے طریقے سے کی تھی۔ وہ دہلی کے شرفاء کی نہایت ستھری زبان بولتے تھے۔ انہوں نے ابتداء سے یہ خیال رکھا کہ میری زبان بگڑنے نہ پائے۔ جب کبھی میری زبان پر کوئی غلط لفظ چڑھ جاتا یا کوئی بازاری لفظ سیکھ لیتا تو وہ مجھے ٹوک دیتے۔ اور مجھے صحیح لفظ بولنے کی عادت ڈلتے۔ یہی وجہ ہے کہ دکن میں پرورش پانے کے باوجود میری زبان محفوظ رہی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ مجھے زیادہ تر اپنے ساتھ اپنے دوستوں کی صحبت میں لے جاتے تھے اور ان کے دوست سب کے سب سنجیدہ، شائستہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ تھے۔ ان صحبتوں میں بیٹھنے سے میں چھوٹی عمر میں مہذّب عادات سیکھ گیا۔ اور بڑی بڑی باتوں کو سمجھنے کے قابل ہو گیا۔ میری طبیعت میں جتنی شوخی تھی والدِ مرحوم کی اس تربیت کی وجہ سے وہ شرارتوں اور دنگے فساد کی بجائے ظرافت کی شکل میں ڈھل گئی۔"

("مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں" ص۲۲-۲۶)

اس "ظرافت" کے پاکیزہ اور نفیس نمونے تو میں انشاء اللہ آگے چل کر عرض کروں گا۔ مگر یہاں "کوثر و تسنیم" سے دھلی ہوئی قلعہ معلّی کی ٹکسالی زبان سے بطور مثال آپ کی ایک فاضلانہ تقریر کا مختصر سا اقتباس سُنا ضروری ہے

سمجھتا ہوں۔ آپ نے مسلمان امراء کی طرف "نظرِ التفات" کرتے ہوئے باوقار لہجہ سے "ارشاد" فرمایا۔

"رہے ہمارے امراء تو ان کے لئے دنیا میں صرف دو ہی چیزیں دلچسپی کا مرکز رہ گئی تھیں۔ ایک پیٹ دوسرے شرمگاہ ۔ ان کے سوا کسی دوسری چیز کی ان کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہ رہی تھی۔ ساری کوششیں اور ساری محنتیں بس انہی کی خدمت کے لئے وقف تھیں۔ اور قوم کی دولت سے انہی پیشوں اور صنعتوں اور حرفتوں کو پروان چڑھایا جا رہا تھا۔ جو ان دو چیزوں کی خدمت کریں۔"

("مسلمانوں کا ماضی و حال" ص۱۳ طبع دوم)

۱۹۱۴ء میں جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے مولوی کا امتحان دیا۔ پھر حیدر آباد میں دارالعلوم کی جماعت مولوی عالم میں شریک ہو گئے۔ اس دوران میں آپ کے والد ماجد حیدر آباد سے بھوپال چلے گئے۔ چھ ماہ بعد آپ بھی بھوپال پہنچ گئے اور اپنے والد محترم کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ جو ان دنوں بسترِ علالت پر موت و حیات کی کشمکش سے دوچار تھے۔ رفتہ رفتہ ان کے صحت یاب ہونے کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں۔ ڈیڑھ دو سال کے تجربات نے آپ کو یہ سبق سکھایا کہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لئے اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہونا ضروری ہے۔ اور معاشی استقلال کے لئے جدوجہد کئے بغیر چارہ نہیں۔ فطرت نے تحریر و انشاء کا ملکہ ودیعت فرما رکھا تھا۔ عام مطالعے سے اس کو اور تحریک ہوئی۔ اسی زمانہ میں علامہ

نیاز فتحپوری مدیر "نگار" سے آپ کے دوستانہ تعلقات قائم ہوئے۔ اور ان کی صحبت بھی وجہ تحریک بنی۔ غرض ان وجوہ سے آپ نے یہی فیصلہ فرمایا کہ قلم ہی کو وسیلۂ معاش قرار دینا چاہیئے۔ (خود نوشت سوانح عمری مشمولہ کتاب "مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں" ص۲۱ تا ۲۴)

قلمی خدمات

قلمی میدان میں اترنے کے بعد آپ نے کیا کیا علمی خدمات سرانجام دیں۔ ان کا تذکرہ خود آپ کے قلم سے سنیئے۔ فرماتے ہیں۔

"۱۹۱۴ء میں سب سے پہلے میرے بھائی نے اخبار نویسی کے میدان میں قدم رکھا اور اخبار مدینہ (بجنور) کے ایڈیٹر ہوئے۔ میں بھی ان کے ساتھ گیا اور ہم دونوں نے ساتھ مل کر کام شروع کیا لیکن ڈیڑھ دو مہینے سے زیادہ ہم وہاں نہ نباہ سکے۔ وہاں سے ہم دہلی واپس ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں سیاسی تحریک کے بہت زبردست طوفان کی ابتداء ہو رہی تھی۔"

"ہم نے "انجمن اعانت نظربندانِ اسلام" میں کام کرنا شروع کیا اور پھر ۱۹۱۹ء میں جب خلافت اور ستیہ گرہ کی تحریک کا آغاز ہوا۔ تو اس میں بھی حصہ لیا۔ اسی زمانے میں میں نے گاندھی جی[1] کی سیرت پر بھی ایک کتاب لکھی۔" (ایضاً خود نوشت سوانح عمری ص۲۳)

[1] ۱۹۲۲ء میں مسٹر گاندھی کی گرفتاری پر آپ نے لکھا: "یہ غلط ہوگا اگر ہم یہ کہیں کہ ہمیں مہاتما کی گرفتاری سے رنج نہیں ہوا۔ ہمیں رنج ہے کہ ایک ایسا آدمی ہم سے چھین لیا گیا۔ جو پرامن طریقوں سے ہماری رہنمائی کر رہا تھا۔ اور ہم اس کے پیچھے چل کر منزلِ مقصود سے بہت قریب ہو گئے تھے۔" (مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں" ص۱۵۸)

آہ! یہ خلش ہر عاشقِ رسولؐ کے دل میں ہمیشہ رہے گی کہ وہ "مولینا" جنہوں نے سیرتِ گاندھی تصنیف فرمائی تھی آجتک سیرتِ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم لکھنے کی توفیق نہ پا سکے۔ ؎

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا
کئے جاؤ مےخوارو کام اپنا اپنا
خرابات میں میکشو جا کے چن لو!
نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا

بہرکیف "سیرت گاندھی" کی خدمت سرانجام دینے کے بعد آپ اخبار تاج (جبلپور) کی ایڈیٹری کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آپ کے ایک مضمون پر حکومت نے گرفت کی اور اخبار کے پرنٹر اور پبلشر پر مقدمہ چل گیا۔ مگر آپ صاف بچکر دہلی آگئے

سنہ ۱۹۲۱ء کا ابتدائی زمانہ تھا۔ کہ آپ کی ملاقات جناب مفتی کفایت اللہ صاحب اور جناب احمد سعید صاحب صدر و ناظم جمعیۃ علمائے ہند (یعنی کانگریسی علماء) کی طرف سے اخبار "مسلم" نکالا اور جناب مودودی اس کے ایڈیٹر مقرر کئے گئے۔

یہ اخبار سنہ ۱۹۲۳ء میں بند ہو گیا تو سنہ ۱۹۲۵ء میں کانگریسی علماء کا دوسرا مشہور ترجمان "الجمعیت" کے نام سے جاری ہوا۔ سنہ ۱۹۲۸ء تک آپ اسے تنہا چلاتے رہے۔ ادارت کے دوران "سوامی شردھانند ایک مسلمان کے ہاتھوں قتل ہوئے اور گاندھی جی نے کہا:۔

"اسلام ایسے ماحول میں پیدا ہوا ہے جس کی فیصلہ کن

طاقت پہلے بھی تلوار تھی اور آج بھی تلوار ہے"

(دیباچہ الجہاد فی الاسلام)

"الجہاد فی الاسلام" کی تصنیف

اس اعلان کے جواب میں آپ نے "الجمعیۃ" کے کالموں میں ایک سلسلہ مضامین شروع کیا۔ جس نے بڑا طول کھینچا اور بالآخر "الجہاد فی الاسلام" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔ "الجہاد فی الاسلام" کے جواب سے گاندھی جی کے نظریہ کی کہاں تک تردید ہوئی اس کا اندازہ "الجہاد فی الاسلام" کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بآسانی لگ سکے گا۔ آپ نے لکھا۔

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک عرب کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ وعظ و تلقین کا جو مؤثر سے مؤثر انداز ہو سکتا تھا۔ اُسے اختیار کیا۔ مضبوط دلائل دیئے واضح حجتیں پیش کیں۔ فصاحت و بلاغت اور زورِ خطابت سے دلوں کو گرمایا۔ اللہ کی جانب سے محیرّ العقول معجزے دکھائے۔ ..... لیکن قوم نے آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا..... جب وعظ و تلقین کی ناکامی کے بعد داعیٔ اسلام نے ہاتھ میں تلوار لی..... تو دلوں سے رفتہ رفتہ بدی و شرارت کا زنگ چھوٹنے لگا۔ طبیعتوں سے فاسد مادے خود بخود نکل گئے۔ دلوں کی کثافتیں دور ہو گئیں اور صرف یہی نہیں کہ آنکھوں سے پردہ ہٹ کر حق کا نور صاف

عیاں ہو گیا۔ بلکہ گردنوں میں وہ سختی اور سروں میں وہ نخوت بھی باقی نہ رہی جو ظہورِ حق کے بعد انسان کو اس کے آگے جھکنے سے باز رکھتی ہے ...... اسلام کی تلوار نے ان پردوں کو چاک کر دیا۔ ان حکومتوں کے تختے الٹ دیئے جو حق کے دشمن اور باطل کی پشت پناہ تھیں"

(الجہاد فی الاسلام" ص ۱۳۷)

سنہ ۱۹۲۸ء میں آپ نے اخبار الجمعیۃ" سے قطع تعلق کر لیا۔ اسی سال کے آخر میں آپ دہلی سے حیدر آباد پہنچے اور اگست سنہ ۱۹۳۰ء تک وہیں فروکش رہے اسی مدت میں آپ نے بعض کتابیں تالیف کیں۔ اور ابن خلکان کے ایک حصہ کا ترجمہ بھی کیا۔ اگست سنہ ۱۹۳۰ء میں آپ واپس دہلی تشریف لے آئے چند ماہ بعد بھوپال گئے اور تاریخ دکن کا مواد فراہم کرتے رہے۔ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء میں آپ پھر حیدر آباد پہنچ گئے۔ اور دوبارہ تاریخ دکن کا مواد فراہم کرنے میں منہمک ہو گئے۔ (کتاب "مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں" ص ۱۴۹)

مجلس تحریک قرآن مجید سے تعلق

حیدر آباد میں ان دنوں ذہنی اور روحانی بنیادوں پر قرآنی انقلاب برپا کرنے کے لئے ایک ادارہ "مجلس تحریک قرآن مجید" کے نام سے قائم ہوا تھا۔ جس کے محرک جناب نذیر جنگ بہادر، صدر نواب سیف نواز جنگ بہادر اور معتمد نواب بہادر یار جنگ بہادر اور مشہور ارکان میں سے ابو محمد مصلح صاحب، نواب سفینہ نواز جنگ بہادر اور مولوی مناظر احسن صاحب

گیلانی وغیرہ شامل تھے۔

(ترجمان القرآن جلد ۲ محرم سنہ ۱۳۵۲ھ ص ۹)

اس ادارہ کے روح و رواں نواب بہادر یار جنگ جماعت احمدیہ کی تنظیم اور اسلامی خدمات کے بہت مداح تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالٰے کے خطبات بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ کیا کرتے تھے۔ نواب صاحب موصوف مارچ سنہ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کے تاریخی اجلاس میں شرکت کے بعد لاہور سے قادیان بھی گئے۔ اور مرکز احمدیت کو دیکھ کر ازحد متأثر ہوئے اور اپنے تاثرات میں لکھا کہ:۔

"میری دلی تمنا ہے کہ میں تمام دنیا کے مسلمانوں کو اس چھوٹی سی جماعت کی طرح نظم اور ایک مرکز کے تحت جو اصولِ اسلامی کے مطابق ہے حرکت کرتا ہوا دیکھوں"

(مرکز احمدیت ص ۴۵۶ مؤلفہ جناب شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم)

"مجلس تحریک قرآن مجید" ہی کی سرپرستی میں ایک رسالہ "ترجمان القرآن" سنہ ۱۹۳۲ء سے جاری ہوا جس کی ادارت ابو محمد مصلح صاحب کے سپرد ہوئی۔ ماہر القادری ایڈیٹر "فاران" (کراچی) کا بیان ہے کہ

"ریاست حیدر آباد دکن کا محکمہ امور مذہبی رسالہ "ترجمان القرآن" کے کئی سو پرچے خریدتا تھا"

(مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں" ص ۳۴۸)

جناب مودودی صاحب چونکہ اب تک کئی رسالوں کی ادارت کرنے کے علاوہ

متعدد تالیفات بھی کر چکے تھے۔ اس لئے مجلس نشر کتاب قرآن مجید" (حیدرآباد دکن) نے (محرم الحرام ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء سے) یہ رسالہ جناب مودودی صاحب کی ادارت میں دے دیا۔ مجلس کے ارکان کی نظر میں قرآنی انقلاب" دماغی اور ذہنی اور روحانی انقلاب کا نام تھا۔ اسی لئے مجلس کی تمام تر سرگرمیاں صرف قرآنی تعلیمات کی اشاعت تک ہی محدود رہیں۔ مگر افسوس مجلس کا یہ رسالہ جناب مودودی صاحب کے ہاتھ آنے کے بعد رفتہ رفتہ اپنی بنیادی حیثیت کھو بیٹھا۔ اور جلد ہی جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے ذاتی نظریات کا ترجمان بن گیا۔ حتیٰ کہ جب ... مودودی صاحب حیدرآباد کو خیرباد کہہ کے ۱۹۳۷ء میں سابق پنجاب میں آگئے۔ اور رسالہ پر ان کی واحد اجارہ داری قائم ہو گئی تو انھوں نے اشتراکیت اور فاشزم اور دوسرے لادینی نظاموں سے اسلام کو مشابہت دیتے ہوئے لکھنا شروع کر دیا کہ

"یہ اسٹیٹ فاشی اور اشتراکی حکومتوں سے ایک گونہ مماثلت رکھتا ہے" (اسلام کا نظام سیاسی" از جناب مودودی صاحب)

(بحوالہ "طلوع اسلام" دسمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۳)

اسی طرح ان کے رفقاء کی طرف سے لکھا گیا کہ

"اس کا سیاسی نظام صرف ظاہر بین اسلام سے ہی بحث کرتا ہے اور اسی سے بحث کر سکتا ہے اس وجہ سے اس کے اندر جیسا کہ آپ نے دیکھا خارجیت اور انارکزم تک کے لئے گنجائش نکل آتی ہے" (اسلامی ریاست" شہریت کے حقوق و فرائض۔ شائع کردہ مکتبہ جماعت اسلامی)

یہی نہیں "ترجمان القرآن" میں یہ بھی عقیدہ شائع کیا گیا کہ:۔

"جب صالحین کا گروہ منظم ہو ان کے پاس طاقت موجود ہو۔ اہل ملک کی عظیم اکثریت ان کے ساتھ ہو یا کم از کم اس بات کا ظن غالب ہو کہ عملی جدوجہد شروع ہوتے ہی اکثریت ان کا ساتھ دے گی اور کسی بڑی تباہی و خونریزی کے بغیر مفسدین کے اقتدار کو ہٹا کر صالحین کا اقتدار قائم کیا جا سکے گا۔ اس صورت میں بلاشبہ صالحین کی جماعت کو نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ ان کے اوپر یہ شرعی فرض ہے۔ کہ وہ اپنی طاقت منظم کر کے ملک کے اندر بزور شمشیر انقلاب برپا کر دیں اور حکومت پر قبضہ کر لیں" (ترجمان القرآن جلد ۳۴ عدد ۴ صفحہ ۲۲۴) فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ادارہ دارالاسلام کا قیام

جناب مودودی حیدرآباد سے سابق پنجاب میں کس طرح منتقل ہوئے؟ جماعت اسلامی کے آرگن "چراغ راہ" (تحریک اسلامی نمبر) میں لکھا ہے کہ

"ڈاکٹر اقبال مرحوم کے پیش نظر ایک سکیم فقہ اسلامی کی تدوین جدید کے سلسلہ کی تھی۔ علامہ مرحوم نے خواہش ظاہر کی کہ مولانا مودودی اس میں ان کے ساتھ تعاون کریں۔ مراسلت کے بعد ۱۹۳۷ء کے آخر میں مولانا مودودی علامہ اقبال سے ملنے کے لئے لاہور آئے۔ اور اسی ملاقات کے دوران یہ بات طے پا گئی کہ مولانا موصوف پنجاب منتقل ہو جائیں۔ پٹھانکوٹ کے قریب اس وقت کی عمارات میں جن کا نام دونوں نے

بالاتفاق "دارالاسلام" تجویز کیا تھا۔ ایک ادارہ قائم کیا جائے جہاں دینی تحقیقات اور نوجوانوں کی تربیت کا کام کیا جائے۔ علامہ اقبال مرحوم نے یہ وعدہ کیا تھا۔ کہ ہر سال وہ بھی چند مہینے دارالاسلام میں قیام فرمایا کریں گے۔ چنانچہ اسی قرارداد کے مطابق مولانا مودودی صاحب مارچ ۱۹۳۸ء میں دارالاسلام پٹھانکوٹ منتقل ہوگئے۔" (چراغِ راہ" کا تحریک اسلامی نمبر ۱۹۶۳ء ص۱۲۸)

پٹھانکوٹ منتقل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ادارہ دارالاسلام کے اصل بانی چوہدری نیاز علی خانصاحب پٹھانکوٹ ہی میں تھے۔ چنانچہ "چراغِ راہ" (تحریکِ اسلامی نمبر) میں لکھا ہے کہ

" یہ ادارہ دارالاسلام دراصل جائداد کے مکانات میں ہی قائم کیا گیا تھا۔ جو چوہدری نیاز علی خانصاحب نے وقف کی تھیں اس وقف جائداد کے لئے ایک الگ ٹرسٹ قائم ہوا تھا۔" (ایضاً ص۱۳۱)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے ذہن میں "ادارہ دارالاسلام" کا ایک مخصوص تخیل تھا انہوں نے علامہ مصطفےٰ المراغی سابق شیخ جامعہ ازہر سے یہ درخواست کی تھی کہ ایک روشن خیال مصری عالم کو جامعہ ازہر خرچ پر بھیجے جو علوم شرعیہ اور تاریخ تمدن اسلامی کا ماہر ہو۔ اور انگریزی زبان پر بھی کامل عبور رکھتا ہو۔ (مکاتیب اقبال حصہ اوّل ص۲۵۱-۲۵۲)

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں۔ جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی ۱۹۳۸ء میں پٹھانکوٹ چلے گئے۔ مگر افسوس سر محمد اقبال کی زندگی نے وفا نہ کی اور آپ کا

دوسرے ماہ ہی انتقال ہوگیا۔ (تحریک اسلامی نمبر صفحہ ۱۲۸)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کی آنکھیں بند ہوتے ہی چوہدری نیاز علی صاحب اور جناب مودودی صاحب میں خطرناک کشمکش پیدا ہوگئی۔ جو بالآخر مولانا کے لاہور آجانے پر ختم ہوئی۔ چنانچہ جماعتِ اسلامی کے امیر چوہدری غلام محمد صاحب کا اقرار ہے کہ

"چند ماہ کے قیام کے اندر اندر ہی اس بات کا اندازہ ہوگیا کہ واقف اس مقام پر اس طرح کی کسی انقلابی تحریک کی بجائے صرف درس و تبلیغِ قرآن حکیم تک اپنے کام کو محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ یہ ادارہ جنوری ۱۹۳۹ء میں لاہور منتقل کر دیا گیا۔"

(چراغِ راہ" تحریکِ اسلامی نمبر ص۱۳۱)

مطالبہ پاکستان اور جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی

ڈاکٹر سر محمد اقبال قومیت کو نہایت درجہ اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اکبر الٰہ آبادی کے نام ایک خط میں لکھا۔

" مذہبِ اسلام کا ایک نہایت ضروری پہلو قومیت ہے۔ جس کا مرکز کعبۃ اللہ ہے۔" (مکاتیبِ اقبال حصہ دوم ص۵۵)

اور اسی نظریۂ قومیت کی بناء پر آپ نے ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کے نام خط لکھا۔

" اسلامی ہندوستان میں ان مسائل کے حل با سانی رائج کرنے کے لئے ملک کی تقسیم کے ذریعہ ایک یا زائد اسلامی ریاستوں

کا قیام اشد لازمی ہے۔ کیا آپ کی رائے میں اس مطالبہ کا وقت نہیں آن پہنچا؟ (مکاتیب اقبال حصہ دوم ص۴۱)

اور جون ۱۹۳۷ء کو آپ نے قائد اعظم کے نام ایک اور خط میں لکھا کہ

"ہندوستان میں قیام امن اور مسلمانوں کو غیر مسلمانوں کے غلبہ و تسلط سے بچانے کی واحد ترکیب مسلم صوبوں کے ایک جداگانہ وفاق میں اسلامی اصلاحات کا نفاذ ہے۔ شمال مغربی ہندوستان اور بنگال کے مسلمانوں کو ہند اور بیرون ہند کی دوسری اقوام کی طرح حق خود اختیاری سے کیونکر محروم کیا جا سکتا ہے؟" (مکاتیب اقبال صفحہ ۲۱-۲۲ حصہ دوم)

اس خط میں مسلمانوں کی قومی ہستی کے قیام کے لئے جو مطالبہ[1] پیش کیا گیا تھا۔ اس کو عملی جامہ پہنانے کا فخر قائد اعظم اور مسلم لیگ کو حاصل ہوا۔ جنہوں نے مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں پاکستان کا ریزولیوشن پاس کر کے مسلم اکثریت کے علاقوں کے لئے آزاد اور خود مختار ریاست کا مطالبہ کیا۔ اس تاریخی اجلاس میں قائد اعظم نے فرمایا۔ مسلمان ہر حیثیت سے ایک قوم ہیں۔ اور اس قوم کو اپنا ملک اور اپنی جداگانہ حکومت چاہیئے

---

۱ چراغ راہ "تحریک اسلامی نمبر" میں لکھا ہے کہ "اقبال نے ملت کی عملی سیاست میں بھی حصہ لیا۔ اور یہاں اس کا سب سے بڑا contribution نظریاتی بنیادوں پر تقسیم ملک کا تصور ہے۔" ص۶۱

قائد اعظم کی اس آواز پر ہندوستان کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک مسلمانوں میں ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ اور مسلمانان ہند پاکستان کے حصول کے لئے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ مگر سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی اس کی مخالفت میں پورے زور سے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے سب سے قبل ۱۲ ستمبر ۱۹۴۰ء[2] کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اسٹریچی ہال میں ایک مقالہ پڑھا جس میں حامیۃ المسلمین اور قائد اعظم کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ

"ہمارے ہاں یہ سمجھا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی تنظیم تمام دردوں کی دوا ہے "اسلامی حکومت" یا "آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام" کے مقصد تک کی سبیل یہ سمجھی جا رہی ہے کہ مسلمان قوم جن افراد سے مرکب ہے وہ سب ایک مرکز پر جمع ہوں۔ متحد ہوں اور ایک مرکزی قیادت کی اطاعت میں کام کریں۔ لیکن دراصل یہ ایک قوم پرستانہ کام ہے۔ اس کے نتیجہ میں ایک قومی حکومت بھی میسر آسکتی ہے اور بدرجہ اقل وطنی حکومت میں اچھا خاصہ حصہ بھی مل سکتا ہے لیکن اسلامی انقلاب اور اسلامی حکومت کے مقصد تک پہنچنے کے لئے یہ پہلا قدم بھی نہیں بلکہ وہ اُلٹا قدم ہے"
"یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگوں سے

---

۲ یہاں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ پاکستان کے ریزولیوشن پاس ہونے سے قبل آپ اس نظریہ کی تائید میں تھے اور آپ کو اختلاف صرف مسلمانوں کی قیادت غلطی سے تھا مگر جب مسلمان قائد اعظم کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تو آپ نے براہ راست نظریہ پاکستان کے خلاف محاذ قائم کر لیا (ملاحظہ ہو سیاسی کشمکش حصہ دوم و حصہ سوم)

بھری ہوئی ہے کیرکیٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافرقوں
میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں موجود ہیں۔ عدالتوں
میں جھوٹی گواہیاں دینے والے جس قدر کافرقومیں فراہم کرتی ہیں غالباً
اسی تناسب سے یہ بھی فراہم کرتی ہے۔ رشوت، چوری زنا، جھوٹ،
اور دوسرے تمام ذمائم اخلاق میں یہ کفار سے کچھ کم نہیں ہے۔ پیٹ
بھرنے اور دولت کمانے کے لئے جو تدبیریں کفار کرتے ہیں وہی اس قوم
کے لوگ بھی کرتے ہیں ایک مسلمان وکیل جان بوجھ کر حق کے خلاف اپنے
مؤکل کی پیروی کرتے وقت اتنا ہی خدا کے خوف سے خالی ہوتا ہے جتنا
ایک غیر مسلم وکیل ہوتا ہے...... یہ اخلاقی حالت جس قوم کی ہو اس
کی تمام کالی اور سفید بھیڑوں کو جمع کر کے ایک منظم گلہ بان بنا دینا اور
سیاسی تربیت سے ان کو لومڑی کی ہوشیاری سکھانا یا فوجی تربیت
سے ان میں بھیڑیے کی درندگی پیدا کرنا جنگل کی فرمانروائی حاصل کرنے
کے لئے تو ضرور مفید ہو سکتا ہے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ اس سے اعلائے
کلمۃ اللہ کس طرح ہو سکتا ہے"

"بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز ہی
کا سہی مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ قائم تو ہو جائے۔ پھر رفتہ رفتہ تعلیم و
تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں
تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مگر میں نے تاریخ، سیاسیات، اور
اجتماعیات کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے اس کی بناء پر میں

اس کو ناممکن سمجھتا ہوں۔ اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے
تو میں اس کو ایک معجزہ سمجھوں گا"

جناب مودودی صاحب نے اپنے اس نظریہ کی وجہ یہ بتائی کہ
"جب تک اجتماعی زندگی میں تغیر واقع نہ ہو کسی مصنوعی تدبیر سے نظام
حکومت میں کوئی مستقل تغیر پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز
جیسا زبردست فرمانروا جس کی پشت پر تابعین و تبع تابعین کی ایک بڑی
جماعت بھی تھی۔ اس معاملہ میں قطعی ناکام ہو چکا ہے۔ کیونکہ سوسائٹی
بحیثیت مجموعی اس اصلاح کے لئے تیار نہ تھی۔ محمد تغلق اور عالمگیر
جیسے طاقتور بادشاہ اپنی شخصی دینداری کے باوجود نظامِ حکومت
میں کوئی تغیر نہ کر سکے۔ مامون الرشید جیسا باجبروت حکمران نظام
حکومت میں نہیں صرف اس کی اوپری شکل میں تبدیلی پیدا کرنا چاہتا
تھا اور اس میں بھی ناکام ہؤا۔ یہ اس وقت کا حال ہے جب کہ ایک شخص
کی طاقت بہت کچھ کر سکتی تھی۔ اب میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ
جو قومی اسٹیٹ جمہوری طرز پہ تعمیر ہوگا۔ وہ اس بنیادی اصلاح میں
آخر کس طرح مددگار ہو سکتا ہے۔ جمہوری حکومت میں اقتدار ان کے
لوگوں کے ہاتھ میں آتا ہے۔ جن کو ووٹروں کی پسندیدگی حاصل ہو
ووٹروں میں اگر اسلامی ذہنیت اور اسلامی فکر نہیں ہے اگر
وہ صحیح اسلامی کریکٹر کے عاشق نہیں ہیں۔ اگر وہ اس بے لاگ عدل
اور ان بے لچک اصولوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

جن پر اسلامی حکومت چلائی جاتی ہے۔ تو ان کے ووٹوں سے کبھی "مسلمان" قسم کے آدمی منتخب ہو کر پارلیمینٹ یا اسمبلی میں نہیں آسکتے۔ اس ذریعہ سے اقتدار تو اُن ہی لوگوں کو ملے گا جو مردم شماری کے رجسٹر میں تو چاہے مسلمان ہوں مگر اپنے نظریات اور طریق کار کے اعتبار سے جن کو اسلام کی ہوا بھی نہ لگی ہو اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار آنے کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہم اس مقام پر کھڑے ہیں جس مقام پر غیر مسلم حکومت میں تھے بلکہ اس سے بھی بدتر مقام پر۔ کیونکہ وہ "قومی حکومت" جس پر اسلام کا نمائشی لیبل لگا ہوا ہوگا۔ اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے میں اس سے بھی زیادہ جری و بے باک ہوگی جتنی غیر مسلم ہوتی ہے۔"

("اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" زیر عنوان "خام خیالیاں" طبع اول ص۲۱ تا ۲۲)

اس سے زیادہ کھل کر مودودی صاحب نے سیاسی کشمکش حصہ سوم ص۳۲-۳۴ میں دعوٰے کیا۔ کہ

"جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت والے علاقے ہندو اکثریت سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی۔ ان کا گمان غلط ہے در اصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی اس کا نام حکومتِ الٰہی رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔" ("سیاسی کشمکش" حصہ سوم طبع اول ص۱۱۱)

جماعت اسلامی کی بنیاد اور حالات قبل از پاکستان

جناب مودودی صاحب نے سیاسی کشمکش حصہ سوم کے آخر میں نظریۂ پاکستان کی علمبردار جماعت مسلم لیگ کے متوازی ایک نئی پارٹی کے قیام کی ضرورت کا بھی اعلان کیا جس کا نام انھوں نے اسلامی جماعت رکھا جو مسلم لیگ ہی کا مترادف ہے۔ کچھ وقت کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے حلقۂ اثر کے مخصوص احباب اس دعوت و تلقین پر ایک نئی پارٹی کی تشکیل پر آمادہ ہو سکیں گے۔ تو آپ نے "ترجمان القرآن" کے ذریعہ سے اعلان کر دیا۔ کہ جو لوگ اس نوعیت کی جماعت سے وابستہ ہونے کو تیار ہوں وہ انکو مطلع کریں۔ جس پر کئی لوگوں کی چٹھیاں شمولیت کے لئے موصول ہوئیں۔ چنانچہ "روداد جماعت اسلامی" حصہ اول کے مطابق جناب مودودی صاحب کی تحریک پر ۲۵ر اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں ۷۵۔ افراد جمع ہوئے۔ جناب مودودی صاحب نے اپنی نئی جماعت کا پروگرام ان کے سامنے رکھا۔ اور دوسری جماعتوں کے مقابل اس کی اہم ترین خصوصیت یہ بیان فرمائی کہ

"اُن تحریکوں کی نظر ہندوستان تک اور ہندوستان میں بھی صرف مسلم قوم تک محدود رہی ہے وہاں وسعت اختیار کی تو زیادہ سے زیادہ بس اتنی کہ دنیا کے مسلمانوں تک نظر پھیلادی۔ مگر بہرحال یہ تحریکیں صرف ان لوگوں تک محدود رہیں جو پہلے سے "مسلم قوم" میں شامل ہیں۔ .... بالفعل ان میں سے اکثر کی سرگرمیاں غیر مسلموں کے اسلام کی طرف آنے میں الٹی سد راہ بن گئی ہیں۔ ان کے کاموں میں کوئی چیز ایسی شامل

نہیں رہی ہے جو غیر مسلموں کو اپیل کرنے والی ہو...... ہماری جماعت
میں نہ صرف پیدائشی مسلمانوں کا صالح عنصر کھنچ کر آئے گا۔
بلکہ نسلی غیر مسلموں میں بھی جو سعید روحیں موجود ہیں وہ انشاء
اللہ اس میں شامل ہوتی جائیں گی۔"

(روداد جماعت اسلامی صفحہ ۶)

یہ بیان فرمانے کے بعد جناب سیّد ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے بتایا۔
"اسی بناء پر ہم اپنی جماعت کو "اسلامی جماعت" اور اپنی تحریک کو
"اسلامی تحریک" کہتے ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۶)

ان الفاظ سے پوری طرح کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ مودودی صاحب "جماعت
اسلامی" کی بنیاد کے وقت جہاں سیاسی اعتبار سے مسلم لیگ کے نظریہ
پاکستان کی راہ میں حائل ہو رہے تھے وہاں تنظیمی اعتبار سے وہ جماعت
احمدیہ کے مقابل ایک دوسری جماعت تیار کر رہے تھے — ورنہ درحقیقت
ان کی بیان کردہ تمام خصوصیات صحیح اسلامی روح و مزاج کے ساتھ پوری شان
سے جماعت احمدیہ میں پہلے سے موجود تھیں۔ خصوصاً ایک عالمگیر نظام کے تحت
غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کا جہاد تو وہ چیز ہے جس میں آج خدا کے فضل سے
صرف جماعت احمدیہ ہی مشغول و مصروف ہے۔ اور دنیا جانتی ہے کہ اس کے سوا
کسی اور جماعت نے عہدِ حاضر میں اس میدان میں قدم ہی نہیں رکھا۔ اس لئے
کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی واضح پیشگوئی ہے۔

اِذَا تَرَكَتِ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ

حُرِمَتْ بَرَكَةُ الْوَحْيِ" (شرح جامع الصغیر مصری جلد اوّل صفحہ ۱۱۶)

یعنی جب میری امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ بیٹھے گی تو وحی
کی برکات سے محروم ہو جائے گی۔ پس موجودہ زمانے میں صرف وہی جماعت تبلیغ
اسلام کا علم بلند کرنے کی توفیق پا سکتی ہے جس میں وحی کی برکات کا دوبارہ
نزول ہو۔ اور یہ دعوٰی آج دنیا کے پردے پر صرف اور صرف جماعت
احمدیہ کا ہے۔ کہ اسے امام الزمان کے ذریعہ سے الہام و کلام کی
برکتیں حاصل ہیں۔ اس کے مقابل جناب مودودی صاحب کی طرف سے اپنی
جماعت کا تعارف ہی یوں کرایا جاتا رہا ہے۔ کہ

" دعووں اور خوابوں اور کشوف و کرامات اور شخصی تقدیس کے
تذکروں سے ہماری تحریک بالکل پاک ہے[1]۔" (شہادتِ حق صفحہ ۳۶)

یہاں ضمناً یہ بتانا دلچسپی کا موجب ہوگا کہ سن ۱۹۵۱ء کی بات ہے کسی نے جناب مودودی
صاحب سے یہ سوال کیا کہ آپ کیسے مطمئن ہیں۔ کہ آپ کی تحریک ہی دینِ اسلام کے
مزاج کے مطابق ہے؟ کیا اس بارے میں آپ کو آسمانی راہنمائی حاصل ہوئی ہے

[1] وحی والہام سے "پاک" ہونا کس امر کی سند ہے اس کا جواب جناب مودودی کے رسالہ "ترجمان القرآن"
(اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳۸) میں یہ لکھا ہے کہ "اہلِ یورپ کے پاس چشم نگراں تو ہے لیکن ان کی بڑی محرومی
یہ ہے کہ ان کے دلوں کو وحی اور الہام سے منور نہیں کیا گیا اور یہ نعمت اتباع نبوّت کے بغیر
حاصل نہیں ہو سکتی۔" دوسری طرف وحی کی عظمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "روح کی تعریف ہے
مبدء حیات اور اصل زندگی۔ حیوانی زندگی کی اصل روح حیوانی ہے انسانی زندگی کی اصل روح
انسانی اور اخلاقی زندگی کی اصل روح القدس اور وحی۔" (مکاتیبِ زندان صفحہ ۱۱۳)

آپ نے جواب دیا کہ:-

"وحی میرے نزدیک اب نہیں آسکتی - رہا الہام تو وہ ضروری نہیں - ہو تو اچھا ہے نہ ہو تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہماری راہ نمائی کے لئے بالکل کافی ہے۔" (ترجمان القرآن مارچ ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۶۸)

مگر میں عرض کروں گا کہ یہ تو محض ایک ادّعا ہے - ورنہ اُن کا دل بھی یہ حقیقت تسلیم کرتا ہے کہ "تحریک اسلامی" کے قیام اور اشاعت دونوں کے لئے خدائی راہ نمائی کا ہونا ضروری ہے - چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:-

"رہا آپ کا یہ خیال کہ پہلے تو وحی کی راہ نمائی کام کرتی تھی اس لئے صحیح وقت پر صحیح تدبیر اختیار کر لی جاتی تھی - مگر اب کیا ہوگا تو اس کا جواب قرآن مجید میں دے دیا گیا ہے - کہ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا - وہ خدا جو پہلے راہ نمائی کرتا تھا وہی اب بھی راہ نمائی کرنے کے لئے موجود ہے - اس کی راہ نمائی سے فائدہ اُٹھانے والے موجود ہونے چاہئیں - ہمارے اندر اگر ایک دو آدمی بھی ایسے موجود رہیں - جو قرآن کی رُوح اپنے اندر جذب کر چکے ہوں ..... تو انشاء اللہ تعالیٰ خدا کی راہنمائی بھی ہمیں ہر مرحلہ پر حاصل ہوگی - اور ہم اس کی راہ نمائی سے فائدہ بھی اٹھا سکیں گے۔"

(چراغ راہ کا "تحریک اسلامی نمبر" صفحہ ۲۰۴)

بہرحال جماعت اسلامی تو وحی والہام کی راہ نمائی سے آج تک محروم ہے مگر یہ الہامی

کلام کی برکتوں ہی کا نتیجہ ہے - کہ خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ کے مبلغین آج ایشیا ہی میں نہیں - امریکہ ، افریقہ اور یورپ میں بھی اعلائے کلمۃ الاسلام میں مصروف ہیں اور اس شان سے اسلامی خدمات انجام دے رہے ہیں - کہ غیر از جماعت محققین بھی ان کو خراج تحسین ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے - چنانچہ علامہ نیاز فتح پوری مدیر "نگار" جن کے فیض صحبت سے جناب مودودی صاحب کو قلمی میدان میں آنے کی تحریک ہوئی اپنے رسالہ نگار میں لکھتے ہیں:-

"میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مرزا صاحب جھوٹے انسان نہیں تھے - وہ واقعی اپنے آپ کو مہدیٔ موعود سمجھتے تھے اور یقیناً انہوں نے یہ دعویٰ ایسے زمانے میں کیا جب قوم کو اصلاح و تنظیم کے لئے ایک ہادی و مرشد کی سخت ضرورت تھی - علاوہ اس کے دوسرا معیار جس سے ہم کسی کی صداقت کو جان سکتے ہیں نتیجہ عمل ہے - سو اس باب میں احمدی جماعت کی کامیابیاں اس درجہ واضح و روشن ہیں کہ اس سے ان کے مخالفین بھی انکار کی جرأت نہیں کر سکتے - اس وقت دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں - جہاں ان کی تبلیغی جماعتیں اپنے کام میں مصروف نہ ہوں - اور انہوں نے خاص عزت و وقار حاصل نہ کر لیا ہو۔"

("نگار" اگست ۱۹۵۹ء)

اسی طرح مُلک کے مشہور مؤرخ و ادیب شیخ محمد اکرام صاحب ایم - اے لکھتے ہیں:-

"برصغیر کے مسلمانوں میں کوئی مذہبی جماعت ایسی نہیں ہے جو اس قدر منظم اور سرگرم عمل ہو۔ نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو مادیت اور دنیا داری نے عملی کام کے قابل نہیں چھوڑا۔ اور پرانے علماء زمانے کی ضروریات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ایک عالمِ جمود میں ہیں۔ ان کے مقابلے میں احمدیہ جماعت میں غیر معمولی مستعدی، جوش، خود اعتمادی اور باقاعدگی ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تمام دنیا کے روحانی امراض کا علاج ان کے پاس ہے۔ یہ اعتقاد غلط ہو یا سچ لیکن اس نے ان کے کاموں میں ایک روح پھونک دی ہے۔ . . . . . احمدی جماعت کے فروغ کی ایک اور وجہ ان کی تبلیغی کوششیں ہیں۔ مرزا صاحب اور ان کے معتقدوں کا عقیدہ ہے کہ اب جہاد بالسیف نہیں بلکہ جہاد بالقلم اور جہاد باللسان یعنی تحریری اور زبانی تبلیغ کا زمانہ ہے۔ ان کے اس عقیدہ سے عام مسلمانوں کو اختلاف ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج جہاد بالسیف کی اہلیت نہ احمدیوں میں ہے اور نہ عام مسلمانوں میں ہے

"طاقتِ جلوۂ سینا نہ تو داری و نہ من"

عام مسلمان تو جہاد بالسیف کے عقیدے کا خیالی دم بھر کے نہ عملی جہاد کرتے ہیں اور نہ تبلیغی جہاد لیکن احمدی . . . . . دوسرے جہاد یعنی تبلیغ کو ایک فریضۂ مذہبی سمجھتے ہیں اور اس میں انہیں خاص کامیابی ہوئی ہے۔"

(موجِ کوثر ص۱۹۲ و ص۱۹۳)

"احمدیہ جماعت کی تبلیغی کوششیں صرف انگلستان تک محدود نہیں بلکہ انہوں نے کئی دوسرے ممالک میں بھی اپنے تبلیغی مرکز کھولے ہیں۔ دنیا کے مسلمانوں میں سب سے پہلے احمدیوں اور قادیانیوں نے اس حقیقت کو پایا کہ اگرچہ آج اسلام کے سیاسی زوال کا زمانہ ہے۔ لیکن عیسائی حکومتوں میں تبلیغ کی اجازت کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک ایسا موقع بھی حاصل ہے جو مذہب کی تاریخ میں نیا ہے اور جس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے . . . . . انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے ایک نیا رستہ کھول دیا ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے مذہب کی بڑی خدمت کر سکتے ہیں . . . . . اسلامی مصلحتوں کا تقاضا ہے کہ علمی اور تبلیغی بلکہ اقتصادی اور تمدنی امور میں بھی پاکستان اور ہندوستان کے مسلمان دنیائے اسلام یا کم از کم اسلامی ایشیا کی راہ نمائی کریں۔ یہ خیال قوم کے مطمحِ نظر کو بلند کر کے ایک نئی روحانی زندگی کا باعث ہو گا لیکن اس کے ایک حصہ کی عملی تشکیل سب سے پہلے احمدیوں نے کی۔" (ایضاً ص۲۰۳)

شیخ محمد اکرام صاحب نے جو حقیقت بڑی وضاحت سے بیان کی ہے وہ جناب مودودی صاحب کو ایک حد تک خود بھی مسلم ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک عدالتی بیان میں صاف کہا۔

"قادیانیت ایک تبلیغی تحریک تھی"

(عدالتی بیان مودودی صاحب)

اس کے برعکس جناب مودودی صاحب کے سامنے تبلیغ اسلام کا سرے سے کوئی پروگرام ہی نہیں تھا۔ بلکہ وہ تو جماعت اسلامی کے طریق کار اور نصب العین کے بارے میں صاف صاف لکھ چکے تھے کہ

"یہ مذہبی تبلیغ کرنے والے واعظین (Preachers) اور مبشرین (Missionaries) کی جماعت نہیں ہے۔ بلکہ خدائی فوجداروں کی جماعت ہے۔ (لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ) اور اس کا کام یہ ہے کہ دنیا سے ظلم، فتنہ، فساد، بداخلاقی، طغیان اور ناجائز انتفاع کو بزور مٹا دے ..... لہذا اس پارٹی کے لئے حکومت کے اقتدار پر قبضہ کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ مفسد نظام تمدن ایک فاسد حکومت کے بل پر ہی قائم ہوتا ہے۔ اور ایک صالح نظام تمدن اس وقت کی طرح قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ حکومت مفسدین سے مسلوب ہو کر مصلحین کے ہاتھ میں نہ آجائے"

(تفہیمات بعنوان "جہاد فی سبیل اللہ" حصہ اول طبع چہارم ص۷۲)

ناظرین کے لئے یہ امر کچھ کم تعجب کا موجب نہ ہوگا۔ کہ متشددانہ انقلاب کے ان عزائم کے باوجود جناب مودودی صاحب نے خاکسار تحریک کی بھی سخت مخالفت کی۔ بحالیکہ جب آپ مذہبی واعظین اور مبشرین کو نہایت حقارت سے ایک بیکار چیز کی طرح نظرانداز فرما کر خدائی فوجداروں کو دیکھنا چاہتے تھے۔ تو وہ مسلمانوں کی اس عسکری تنظیم کو جو علامہ مشرقی نے قائم کی تھی نظرِ

استحسان سے دیکھتے اور اس کی پشت پناہی کرتے یا کم از کم اس کی راہ میں مخل ہی نہ ہوتے۔ مگر آپ نے ان میں سے کوئی بات بھی گوارا نہ فرمائی۔ اور خاکسار تحریک کے بانی کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ جو جناب محمد منظور صاحب نعمانی کی کتاب "خاکسار تحریک مذہب وسیاست کی روشنی میں" کے صفحہ ۱۱۶ پر طبع شدہ ہے۔ اس کتاب میں جناب مودودی صاحب نے علامہ مشرقی صاحب کو "جھوٹا اور بُزدل" تک قرار دیا۔ اسی طرح رنگون کے ایک مذہبی رسالہ "المحمود" کے ایڈیٹر نے جب مشرقی تحریک کے بارے میں آپ سے استفسار کیا تو آپ نے جواب دیا کہ

"مشرقی صاحب جس چیز کو اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں اس کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ وہ خالص مادہ پرستی ہے ---- بلکہ زیادہ صحیح طور پر میں یہ کہوں گا کہ یہ صاحب مرزائے قادیانی سے اور اس سے پہلے کے مدعیانِ نبوت سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ اور ان لوگوں نے نبوت کی حقیقت کو بدلا نہیں تھا۔ مگر ان صاحب نے نبوت کی حقیقت کو ہی بدل ڈالا ہے۔ اور مسلمانوں ـــــ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں وہی مشن لے کر آئے تھے جو ہٹلر اور مسولینی کا مشن ہے۔ مرزا صاحب نے اتنا کیا تھا کہ صرف جہاد بالسیف کو منسوخ ٹھہرایا ہے مگر جہاد کی غرض اور اس کے مقصد میں شائد کوئی رد و بدل نہیں کیا۔ مگر ان جناب نے جہاد کی روح ہی سلب کر لی ہے .... مرزا صاحب نے تو عیسے

عقیدہ کو غالباً چھیڑا تک نہیں۔ مگر مشرقی صاحب نے اس عقیدہ کو اس کی بنیاد سے اکھیڑ پھینکا ہے۔۔۔۔۔۔ پھر جہاں تک میں سمجھتا ہوں مرزا صاحب نے عملِ صالح کی حقیقت میں بھی کوئی ترمیم نہیں کی۔ مگر مشرقی صاحب نے اس پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے۔ ان کے نزدیک عمل صالح اس نوعیت کے عمل کا نام ہے جو جنگل میں بھیڑیا بکری کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اور جو انسانوں میں چنگیز اور ہلاکو نے سکندر اور نپولین نے کچز اور فوش نے کیا۔ مشرقی صاحب کی اصطلاح میں عمل صالح ہے ہوائی جہاز بم اور گیس تیار کرنا غیر صالح یعنی ایسے ذرائع نہ رکھنے یا کم رکھنے والی ہر قوم پر چڑھ دوڑنا اور اسے مغلوب کر کے اس کے گھر بار اور اس کی دولت و ثروت پر قابض ہونا اس کا نام عمل صالح ہے۔ اور اس عمل کے نتیجہ میں جو مقبوضات ہاتھ آئیں وہ وراثت ارضی کی تعریف میں آتے ہیں جس کا وعدہ "صالحین" سے کیا گیا ہے ..... میں ایسے لوگوں کو کافر کی بجائے منافق کہنا زیادہ صحیح سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک یہ کھلے دشمنانِ اسلام سے زیادہ خطرناک ہیں کفّار اور کھلے ہوئے دشمنوں کو ہر شخص پہچانتا ہے۔ اور ان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ مگر یہ منافقین اندر سے حملہ کرتے ہیں۔ قرآن کا نام لیکر اس کی تعلیم کو بدلتے ہیں۔ آیاتِ قرآنی کی تلاوت کر کے ان کے معنوں کو مسخ کرتے ہیں"

(الفرقان بریلی بابت صفر و ربیع الاوّل ۱۳۵۹ھ صفحہ ۶ تا ۸)

خیر یہ بات تو برسبیل تذکرہ آگئی۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے "جماعت اسلامی" قائم کرنے کے لئے مختلف دوستوں کا لاہور میں پہلا اجتماع[1] کیا۔ اس اجتماع میں جو پچھتر نفوس پر مشتمل تھا۔ آپ نے "دستور جماعت اسلامی" کا مسودہ[2] پڑھ کر سنایا جو بعض ترمیمات اور اضافوں کے ساتھ اتفاق رائے سے پاس ہو گیا۔ دستور کی دفعہ ۳ میں نظام جماعت کے بارہ میں یہ قرار پایا کہ

اس جماعت میں کوئی شخص محض اس مفروضہ پر شامل نہیں ہو سکتا کہ جب وہ مسلمان گھر میں پیدا ہوا ہے۔ اور اس کا نام مسلمانوں کا سا ہے تو ضرور مسلمان ہوگا" (دستور جماعت اسلامی طبع اوّل صفحہ ۹-۱۰)

دستور میں بہت سی شرائط مزید ایسی عائد کی گئیں۔ جنہیں "جماعت اسلامی" میں "بھرتی" کے بعد پورا کرنا ضروری تھا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی غیر الٰہی نظام کی طرف سے خطاب رکھتا ہو۔ تو اس کو واپس کرے" (صفحہ ۱۱ زیر دفعہ ۴)

(ڈاکٹر سر اقبال اگر اس وقت زندہ ہوتے تو انہیں جماعت اسلامی کا ممبر بنانے سے انکار کر دیا جاتا۔ کیونکہ برطانوی حکومت نے ان کو اور ان کے کہنے پر اُن کے استاد میر حسن صاحب سیالکوٹی کو خطاب دے رکھا تھا)

جماعت اسلامی میں داخل ہونے والوں کو تین طبقوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ ہوا:۔

(۱) "ایسے اشخاص جو تن من دھن سے جماعت میں شریک ہوں جو اسلامی

---

[1] یہ اجتماع دفتر ترجمان القرآن پونچھ روڈ مبارک پارک لاہور میں منعقد ہوا تھا۔
[2] یہ مسودہ آپ سیاسی کشمکش حصہ سوم میں شائع کر چکے تھے۔

نصب العین کے حصول کی جدّوجہد میں ہر قربانی کے لئے تیار رہوں....

جماعت کا اصل کارکن و کارفرما عنصر وہی ہوں گے اور راہنمائی و سربراہ کاری انہی کے ہاتھ میں ہوگی۔"

(۲) " وہ لوگ جو اپنے آپ کو بالکلیہ وقف کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں اور نہ خطرات اور قربانیوں کا پورا بار اٹھا سکتے ہوں...... وہ طبقہ دوم میں شمار ہوں گے...... ذمّہ داری کا کوئی منصب ان کے سپرد نہ کیا جائے گا۔"

(۳) " جو لوگ کلمۂ اسلام پر اصولی حیثیّت سے ایمان لائیں مگر غیر الٰہی نظام سے ان کے جو مفاد وابستہ ہیں ان کا نقصان گوارا نہ کر سکیں۔ وہ طبقہ سوم میں داخل ہوں گے۔ اور ان کا شمار صرف ہمدردوں میں ہوگا بشرطیکہ وہ دوسری وفاداریوں پر .... خدا کی وفاداری کو مقدم رکھیں..... جماعتی مشورہ میں وہ صرف اس حد تک شریک ہو سکتے ہیں جس حد تک جماعت کو ان کے اخلاص پر اعتماد ہو۔"

(ایضاً صفحہ ۱۳/۱۴)

دستور کے دفعہ ۱۰ میں یہ پاس ہوا کہ :۔

" اس جماعت کا ایک امیر ہوگا..... اس کی اطاعت فی المعروف جماعت کے کل افراد اپنے امیر (باصطلاح شرعی) کی حیثیت سے کریں گے" (ص۱۵)

"جماعت اسلامی" کے اس اوّلین دستور میں جو ۱۹۵۶ء کے ابتدا تک نافذ رہا۔ ابتداءً کوئی ایسی شق نہیں رکھی گئی تھی۔ کہ یہ جماعت آئینی ذرائع استعمال

کرے گی۔ البتہ تیسرے دستور میں جو ۲۶ مئی ۱۹۵۷ء سے نافذ ہوا۔ زیر دفعہ ۵ یہ اضافہ کیا گیا کہ جماعت جمہوری اور آئینی طریقوں سے کام کرے گی۔

(دستور جماعت اسلامی مارچ ۱۹۵۸ء طبع ثانی ص۲۶)

"جماعت اسلامی" کی ابتدائی تاریخ

المختصر جناب مودودی صاحب دستور کی منظوری حاصل کر چکے تو آپ نے کلمۂ شہادت کا اعادہ کر کے فرمایا۔ لوگو! گواہ رہو کہ میں آج از سرِ نو ایمان لاتا اور جماعت اسلامی میں شریک ہوتا ہوں۔ (روداد جماعتِ اسلامی حصّہ اوّل ص۹)

اس کے بعد آپ نے حاضرین کو توجہ دلائی کہ " اسلام بغیر جماعت کے نہیں ہے۔ اور جماعت بغیر امارت کے نہیں ہے۔ اس قاعدہ کلیہ کے بموجب آپ کے لئے ضروری ہے۔ کہ جماعت بننے کے ساتھ ہی آپ اپنے لئے ایک امیر منتخب کر لیں" (روداد جماعت اسلامی حصّہ اوّل طبع اوّل ص۱۳)

حضرات! دنیائے اسلام میں غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ جماعت تو موجود تھی مگر امیر موجود نہ تھا۔ بہر حال سوچے سمجھے پروگرام کے مطابق حاضر افراد کے اتفاق رائے سے جناب سیّد ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر منتخب ہو گئے۔ پہلے "بیعتِ عام" ہوئی اور آپ نے فرمایا۔

" میں جانتا ہوں کہ یہ وہ تحریک ہے جس کی قیادت اولوالعزم پیغمبروں نے کی ہے" (روداد جماعت اسلامی حصّہ اوّل ص۱۷)

قیامِ جماعت کے پیچھے کیا جذبہ کارفرما تھا اور آپ کس طرح مصنوعی طریق سے انقلاب فکر و عمل برپا کرنا چاہتے تھے؟ اس کا علم جناب مودودی صاحب

کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"صرف آٹھ برس کی قلیل مدّت میں دنیا کے سب سے بڑے ہادی و راہبر نے مدینہ کے پاور ہاؤس میں اتنی زبردست قوت بھر دی کہ اس نے دیکھتے دیکھتے سارے عرب کو منوّر کر ڈالا۔ اور پھر عرب سے نکل کر اس کی روشنی روئے زمین پر پھیل گئی۔ ہم اس پاور ہاؤس کی نقل[1] کرنا چاہتے ہیں۔" (چراغ راہ تحریک اسلامی نمبر ص۱۰۸)

اس کے ساتھ ہی آپ کا قطعی نظریہ یہ تھا کہ

"لوگ اس کو معجزہ کی قسم کا واقعہ سمجھ کر کہہ دیتے ہیں اب یہ کہاں ہو سکتا ہے؟ نبی ہی آئے تو یہ بات ہو مگر تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ یہ بالکل ایک طبعی قسم کا واقعہ ہے۔ اس میں علّت اور معلول کا پورا منطقی اور سائنٹیفک ربط ہمیں نظر آتا ہے۔ آج بھی ہم اس ڈھنگ پر کام کریں تو وہی نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔"

(سیاسی کشمکش حصہ سوم طبع اوّل ص۱۶۲)

---

[1] "نقل" کے بارے میں جناب کا ایک مخصوص نظریہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے فرماتے ہیں۔" یہ سنّت کی پیروی نہیں بلکہ اس کی خلاف ورزی ہے کہ حقیقی مومن، مسلم، متقی اور محسن بنائے بغیر لوگوں کو متقیوں کے ظاہری سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے اور ان سے محسنین کے چند مشہور و منقول عام افعال کی نقل اتروائی جائے...... میرے نزدیک تو ایک کھلی ہوئی جعلسازی ہے۔" (تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں ص۵۰ تا ۵۳)

بہرکیف جب مودودی صاحب "امیر" منتخب ہو چکے تو آئندہ طریق کار کے بارہ میں مفصّل پروگرام تجویز کیا گیا۔ اور جماعت احمدیہ کی طرح مختلف شعبہ جات قائم کئے گئے۔ اور ایک مرکزی بیت المال بھی کھولا گیا جس میں سابق ادارہ دارالاسلام کے حسابات بھی منتقل کر دیئے گئے۔

اس سلسلہ میں ایک شعبہ "دعوت و تبلیغ" بھی تجویز کیا گیا۔ چنانچہ "روداد جماعت اسلامی حصہ اوّل میں لکھا ہے۔

یہ شعبہ اس جماعت کا سب سے اہم شعبہ ہے۔ اور دراصل کامیابی کا انحصار ہی اس شعبہ کی کارگذاری پر ہے۔ ہر شخص جو جماعت اسلامی کا رکن ہو۔ لازمی طور پر اس شعبہ کا رُکن ہوگا۔ اس کو دائماً ایک مبلّغ کی زندگی بسر کرنی ہوگی۔ اس کے لئے لازم ہوگا کہ جہاں جس حلقہ میں بھی اس کی پہنچ ہو سکتی ہو۔ جماعت کے عقیدہ کو پھیلائے۔ اس کے نصب العین کی طرف دعوت دے اور جماعت کے نظام کی تشریح کرے مگر تبلیغی مصالح کے لحاظ سے یہ ضروری معلوم ہوا کہ کام کرنے کے لئے آٹھ مختلف حلقے معیّن کر دیئے جائیں۔ اور جماعت کا ہر کارکن اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے صرف انہیں حلقوں میں تبلیغ کرے۔ جن سے وہ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ یہ حلقے حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ کالجوں اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کا حلقہ۔
۲۔ علماء اور مدارس عربیہ کا حلقہ۔
۳۔ صوفیا اور مشائخ طریقت کا حلقہ۔

۴۔ سیاسی جماعتوں کا حلقہ
۵۔ شہری عوام کا حلقہ
۶۔ دیہاتی عوام کا حلقہ
۷۔ عورتوں کا حلقہ
۸۔ غیر مسلموں کا حلقہ۔

(رُوداد جماعت اسلامی حصّہ اوّل ص۲۳-۲۴)

جناب مودودی صاحب نے مسندِ امارت پر متمکن ہوتے ہی بعض ہدایات بھی جاری کیں۔ مثلاً ارشاد فرمایا:۔

"جماعت کے ارکان کو قرآن اور سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم اور سیرتِ صحابہ سے خاص شغف ہونا چاہیئے۔"

...... اس تحریک کی جان دراصل تعلق باللہ ہے۔ اگر اللہ سے آپ کا تعلق کمزور ہو تو آپ حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے اور کامیابی کے ساتھ چلانے کے اہل نہیں ہو سکتے...... جلسے اور جلوس جھنڈے اور نعرے، یونیفارم اور مظاہرے، ریزولیوشن اور ایڈریس، بے لگام تقریریں اور گرما گرم تحریریں اور اس نوعیت کی تمام چیزیں ان تحریکوں کی جان ہیں۔ مگر اس تحریک کے لئے سمِ قاتل ہیں۔"

"پھر فرمایا:۔

"آپ کو اسمبلیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں اور انکے الیکشنوں سے اور ہندو اور مسلمان اور سکھ وغیرہ قوموں کے نفسانی جھگڑوں سے اور مختلف پارٹیوں اور

مذہبی فرقوں اور مقامی قبیلوں اور برادریوں کے تنازعات سے بالکل کنارہ کش رہنا چاہیئے۔" (رُوداد جماعت اسلامی حصّہ اوّل صفحہ ۲۶ تا ۲۸)

جناب مودودی صاحب اور ان کے رفقاء ابتداء ہی سے جماعت اسلامی کے سوا باقی سب طریقہ ہائے کار کو سراسر باطل قرار دیتے آئے ہیں۔

(رُوداد جماعت اسلامی حصّہ سوم ص۱۱)

اور مسلمانانِ عالم کو چڑیا گھر کے جانور ٹھہراتے رہے ہیں

(رُوداد جماعت اسلامی حصّہ خواتین صفحہ ۱۷)

مسلمان اماموں کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ رہا ہے کہ انہی کی وجہ سے نمازیں بے اثر ہو گئیں۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے:۔

"مسجدوں کی امامت کے لئے ان لوگوں کو چُنا جاتا ہے جو دنیا میں کسی اور کام کے قابل نہیں ہوتے۔ مسجد کی روٹیاں کھانے والے فرضِ دین کو کمائی کا ذریعہ سمجھنے والے، جاہل، کم حوصلہ اور پست اخلاق لوگوں کو آپ نے اس نماز کا امام بنایا ہے جو آپ کو خدا کا خلیفہ اور دنیا میں خدائی فوجدار بنانے کے لئے مقرر کی گئی تھی۔" (خطبات بار ہفتم ص۱۱۱)

البتہ اس بارہ میں ان کی دیانتدارانہ رائے یہ ضرور تھی۔ کہ

"نالائق امام مسجدوں میں خود نہیں آئے بلکہ مسلمان ان کو لاتے ہیں مسلمانوں کو دراصل وہ لوگ مطلوب ہی نہیں ہیں جو بستیوں میں ان کے واقعی امام بن کر رہیں۔ اور مسجدوں کو اسلامی زندگی کا مرکز بنا کر رکھیں۔ ان کا بگڑا ہُوا مذاق، ان کی دینی بے حسی، ان کی اخلاقی پستی

ان کا دنیا میں استغراق اور خدا کے ساتھ ان کا منافقانہ رویہ صرف ایسے امام پسند کرتا ہے جو بستیوں کے پیشہ ور "کمینوں" کی طرح ایک قسم کے کمین بن کر ان کی مسجدوں میں رہیں۔ اور ان کی دی ہوئی روٹیاں کھا کر پیش نمازی کا کام بس اس طرح انجام دیا کریں جس طرح وہ ان سے لینا چاہتے ہیں۔ پس خرابی یہ نہیں کہ جسم (یعنی مسلم سوسائٹی) زندہ ہے مگر کسی حادثہ سے اس کے دل (یعنی مسجد) پر جمود و سکون طاری ہو گیا۔ بلکہ حقیقی خرابی یہ ہے کہ جسم خود ٹھنڈا ہو گیا ہے اور اس نے بالآخر دل کو ٹھنڈا کر کے چھوڑا ہے۔"

(روداد جماعت اسلامی حصہ سوم ص۱۰۱-۱۰۲)

"دستور جماعت اسلامی" میں چونکہ یہ شرط بھی رکھدی گئی تھی کہ صالحین دیگر لوگوں سے جو خدا سے غافل اور فساق ہوں۔ بالکل قطع تعلق کر لیں۔ (دستور جماعت اسلامی ۱۹۴۲ء ص۱۱) اس لئے جماعت کے بعض ارکان کی طرف سے جب یہ تجویز پیش کی گئی کہ ارکان اپنی اور اپنے بچوں کی شادیاں صرف دیندار لڑکی یا لڑکے سے کریں تو امیر جماعت اسلامی جناب مودودی صاحب نے فرمایا:-

"یہ ایسی چیز نہیں ہے جسے تجویز کی حیثیت سے پیش کیا جائے یہ تو حقیقی دینی شعور پیدا ہو جانے کا لازمہ اور اس کا فطری نتیجہ ہے جس آدمی میں بھی یہ شعور پیدا ہو جائے گا وہ لازماً دین سے پھرے ہوئے اور اخلاقی حیثیت سے گرے ہوئے لوگوں کو شادی بیاہ کے تعلق کے لئے تو درکنار دوستی و ہم نشینی کے لئے بھی پسند نہ کرے گا۔ اور اگر

کوئی شخص ایسا ہے جو دینی شعور رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے مگر شادی بیاہ کے لئے دین و اخلاق دیکھنے کی بجائے مال و دولت و دنیوی وجاہت کا لحاظ کرتا ہے تو اس کا دعویٰ یا تو فریب ہے یا پھر ایک غلط فہمی ہے جو اسے اپنی نسبت ہو گئی ہے۔ ایسے لوگ اگر خدانخواستہ ہماری جماعت میں پائے جائیں۔ تو انہیں ضرور مطلع کر دینا چاہیئے۔ کہ آپ کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔" (روداد جماعت اسلامی" حصہ سوم ص۱۰۳)

جناب مودودی صاحب نے "جماعت اسلامی" میں داخل ہونے والوں کو قیام جماعت کے موقعہ پر ہی یہ انتباہ کر دیا تھا کہ:-

"یہ وہ راستہ نہیں ہے جس میں آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹ جانا دونوں یکساں ہوں۔ نہیں۔ یہاں پیچھے ہٹنے کے معنی ارتداد کے ہیں۔" (روداد جماعت اسلامی حصہ اوّل ص۸)

جناب مودودی صاحب کے مراسم جو قبل ازیں چوہدری نیاز علی صاحب سے قطع ہو چکے تھے اب پھر استوار ہو گئے۔ اور آپ لاہور چھوڑ کر دوبارہ جمالپور منتقل پٹھانکوٹ چلے گئے۔ اور وہیں اپنا مرکز قائم کر کے اپنا کام شروع کر دیا چنانچہ "روداد جماعت اسلامی" حصہ اوّل ص۳۴ پر لکھا ہے:-

"چوہدری نیاز علی خانصاحب نے از راہِ عنایت اپنے وقف کی عمارات ہمیں مستعار دینا قبول فرمالیا۔ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق ۱۵ر جون ۱۹۴۲ء کو امیر جماعت نے چند رفقاء سمیت وہاں نقل مقام کیا۔ اور اس وقت سے یہ مقام جماعت کا مرکز قرار پا گیا۔"

۴۶-۱۹۴۵ء کے سال مسلمانانِ ہند کی سیاسی جدّ و جہد میں انقلابی سال تھے۔ کیونکہ ان میں ملکی انتخابات ہوئے جس میں مسلمانوں کی اکثریت نے پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالے۔ یہ قومی جدّ و جہد کا زبردست معرکہ تھا جس میں دوسرے مسلمانوں کے دوش بدوش جماعت احمدیہ نے بھی گذشتہ روایات کے مطابق پُرجوش حصّہ لیا۔ جناب ابوالکلام آزاد کے ساتھیوں نے مسلم لیگ میں احمدیوں کی شمولیت پر اعتراض اٹھایا تو مشہور اہلحدیث عالم میر ابراہیم صاحب سیالکوٹی مرحوم نے اس کے جواب میں یہاں تک لکھا کہ

"احمدیوں کا اس اسلامی جھنڈے کے نیچے آجانا اس کی دلیل ہے کہ واقعی مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ وجہ یہ کہ احمدی لوگ کانگریس میں تو شامل ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ خالص مسلمانوں کی جماعت نہیں ہے اور نہ احرار میں شامل ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ سب مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ صرف اپنی احراری جماعت کے لئے لڑتے ہیں جن کی امداد پر کانگریسی جماعت ہے۔ اور حدیث "الدین النصیحۃ" کی تفصیل میں خود رسُولِ مقبول ؐ نے عامۂ مسلمین کی خیر خواہی کو شمار کیا ہے۔ (صحیح مسلم) ہاں اس وقت مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو خالص مسلمانوں کی ہے۔ اس میں مسلمانوں کے سب فرقے شامل ہیں۔ پس احمدی صاحبان بھی اپنے آپ کو ایک اسلامی فرقہ جانتے ہوئے اس میں شامل ہو گئے جس طرح کہ اہلحدیث اور حنفی اور شیعہ وغیرھم شامل ہوئے اور اس امر کا اقرار کہ احمدی لوگ

اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ ہیں مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کو بھی ہے۔" (پیغام ہدایت در تائید پاکستان و مسلم لیگ" میر ابراہیم سیالکوٹی صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۴)

جناب رئیس احمد صاحب جعفری نے اپنی کتاب "حیات محمد علی جناحؒ" میں قیام پاکستان میں جماعت احمدیہ کی خدمات کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

"مسلم قوم کی مرکزیت، پاکستان یعنی ایک آزاد اسلامی حکومت کے قیام کی تائید مسلمانوں کے یاس انگیز مستقبل، عامۃ المسلمین کی صلاح و فلاح، نجاح و مرام کی کامیابی، تفریق بین المسلمین کے خلاف برہمی اور غصّہ کا اظہار کون کر رہا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جماعت حزب اللہ کا داعی اور امام الہند؟ نہیں پھر کیا جانشین شیخ الہند اور دیوبند شیخ الحدیث وہ بھی نہیں؟ پھر کون —؟ وہ لوگ جن کے خلاف "کفر" کے فتووں کا پشتارہ موجود ہے۔ جن کی نامسلمانی کا چرچا گھر گھر ہے جن کا ایمان جن کا عقیدہ مشکوک مشتبہ اور محل نظر ہے۔ کیا خوب کہا ہے ایک شاعر نے ؎

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی

کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے (صفحہ ۴۸۳-۴۸۴)

قیام پاکستان کی اس جنگ میں جہاں دوسرے مسلمانوں کی اکثریت شامل ہوئی وہاں جناب سیّد ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے انتخابات میں شرکت ہی کو حرام قرار دے دیا۔ (ود تحریر فرمایا۔

"ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کر لیجیے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو بہر حال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں۔ جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔"

(ترجمان القرآن فروری ۱۹۴۶ء ص۱۴۵)

اس کے بعد انہوں نے فروری ۱۹۴۶ء میں نظریۂ پاکستان کی مخالفت میں اشتعال انگیز مضمون لکھا جس میں کہا۔

رہے وہ علاقے جہاں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے تو اگر بالفرض وہ پاکستان کی صورت میں خود مختار ہو جائیں۔ ..... تو جو حالات اس وقت پائے جاتے ہیں ان میں یہ ممکن نہیں ہے کہ آزاد پاکستان کے نظام کو اسلامی دستور میں تبدیل کیا جا سکے۔ کیونکہ جنت الحمقاء میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں خواہ کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں لیکن آزاد پاکستان (اگر وہ فی الواقع بنا بھی تو) لازماً جمہوری لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا۔"

(ترجمان القرآن" فروری ۱۹۴۶ء ص۱۵۴)

پھر اپنا ایک جدید پروگرام بیان کرنے کے بعد لکھا۔

"چونکہ منزل حق یہی ہے اس لئے ہم اس کی طرف دوڑتے ہوئے

مرجانا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ جانتے بوجھتے غلط مگر آسان راہوں میں اپنی قوت صرف کریں۔ یا نادانی کے ساتھ جنت الحمقاء کے حصول میں اپنی قوت ضائع کریں۔" (ایضاً ص۱۵۷)

اور آخر میں طنزاً لکھا۔

"ایک اصولی تحریک کے کارکنوں کو یہ خبر دینا کہ تمہارے لئے ایک قوم پرستانہ تحریک نے بڑے اچھے مواقع پیدا کر دیئے ہیں۔ کسی بصیرت اور معاملہ فہمی کا ثبوت نہیں ہے ـــــ اس کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کسی عازم کلکتہ کو یہ خبر دی جائے کہ کراچی میل تیار کھڑا ہے۔"

(ایضاً ص۱۵۸)

جناب مودودی صاحب پوری شان سے یہ زہریلا پراپیگنڈہ کر رہے تھے۔ کہ خدا کے فضل سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا چاند طلوع ہوا۔ اور دنیا کے نقشہ میں ایک اور مسلمان حکومت ابھر آئی۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات اٹھ کھڑے ہوئے ــــ اور جناب مودودی صاحب جو پہلے یہ اعلان فرما چکے تھے کہ ہم پاکستان میں قدم رکھنے کی بجائے مرجانا زیادہ بہتر سمجھیں گے۔ ۳۰ اگست ۱۹۴۷ء کو اپنا دار الاسلام سکھوں کے حوالے کر کے "جنت الحمقاء" میں تشریف لے آئے یعنی پاکستان میں پناہ گزین ہو گئے اور اچھرہ کو اپنی جماعتی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا۔ (ترجمان القرآن اگست ۱۹۴۸ء ص۶۹)

پاکستان میں جماعت اسلامی کے "مجاہدانہ کارنامے"

حضرات ــــ آپ اس انکشاف پر حیران ہوں گے کہ جماعت اسلامی

عرب ممالک میں یہ پراپیگنڈہ کر رہی ہے کہ" امیر الجماعۃ الاسلامیہ ...... یقودھا الی میادین الجہاد" یعنی جماعت اسلامی کے امیر جہاد کے میدانوں میں جماعت اسلامی کی قیادت فرماتے ہیں۔ (الجماعۃ الاسلامیہ دعوتہا واھدافہا ونہاج عملہا۔ ص۸)

پاکستان میں آنے سے قبل جو" اسلامی مجاہدانہ کارنامے" جناب مودودی صاحب اور آپ کی جماعت نے انجام دیئے وہ میں اختصار سے عرض کر چکا ہوں۔ پاکستان میں قدم رکھنے کے بعد آج تک یہ حضرات میدانِ جہاد کی کن کن مہمات کو سر کر چکے ہیں۔ وہ تو آنکھوں دیکھی چیز ہے جس پر شاید کچھ زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہذا میں مختصراً ان" مجاہدین کرام" کے صرف چند" جہاد" عرض کرنے پر ہی اکتفاء کروں گا۔

پہلا" جہاد" پہلا جہاد جناب مودودی صاحب نے یہ سرانجام دیا کہ حکومت پاکستان کی طرف سے" ترجمان القرآن" کے دوبارہ اجراء کی اجازت ملتے ہی جو سب سے پہلا پرچہ جون ۱۹۴۸ء میں شائع کیا۔ اس میں حکومت پاکستان اور تمام مسلم قوم پر سخت ناپاک۔ رکیک اور سوقیانہ حملے کئے گئے بلکہ انہیں بدمعاش تک کہہ ڈالا۔ چنانچہ کہا:۔

" انسان انسان سے بارہا لڑا ہے۔ مگر لڑائی میں کمینہ پن اور بدمعاشی کا جو مظاہرہ یہاں ہوا ہے یہ اپنی نظیر بس آپ ہی ہے۔ یہاں انسان صورت جانوروں نے وہ وہ کام کئے ہیں کہ اگر کتوں اور بھیڑیوں پر ان کا الزام تھوپ دیا جائے تو وہ بھی اسے اپنی توہین محسوس کریں۔

اور یہ کرتوت چند گنے چُنے بدمعاشوں کے نہیں تھے بلکہ پُوری پُوری قوموں نے اپنے آپ کو بدمعاش ثابت کیا۔ باقاعدہ حکومتیں بدمعاش بن گئیں۔ بڑے بڑے لیڈروں اور رئیسوں اور وزیروں نے بدمعاشی کی اسکیم سوچی اور حکومتوں کے پورے نظم ونسق نے اپنے مجسٹریٹوں اور اپنی پولیس اور اپنی فوج کے ذریعہ سے اس اسکیم کو عملی جامہ پہنایا....

کیا یہ سب کچھ جو واقع ہوا محض ایک اتفاقی حادثہ تھا؟ جو لوگ پچھلے تیس سال سے اس ملک کی راہنمائی کرتے رہے ہیں اور جن کی قیادت میں یہ انقلاب رُونما ہوا ہے (یعنی قائداعظم وغیرہ۔ ناقل) وہ ایسا ہی کچھ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اس فسادِ عظیم کے اسباب کی بحث کو باتوں میں ٹالنا چاہتے ہیں..... کیونکہ یہ بحث ان سب لوگوں کا منہ کالا کر دینے والی ہے جنہوں نے پچھلی ربع صدی میں ہمارے ملک کی سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی ہے۔" (ص۴-۳)

" اس قیادت کی غلطیاں اس سے بہت زیادہ ہیں کہ چند سطروں میں انہیں شمار کیا جا سکے۔ مگر اس کی چند غلطیاں تو اتنی نمایاں ہیں کہ آج ہر ذی ہوش آدمی ان کو بُری طرح محسوس کر رہا ہے۔ مثال کے طور پر اس نے (۱) حصول پاکستان کی جنگ میں اُن علاقوں کے مسلمانوں کو شریک کیا جنہیں لامحالہ ہندوستان میں ہی رہنا تھا۔ آج یہ اس کا خمیازہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین ان غریبوں[1] کے لئے جہنم بن گئی ہے۔ حالانکہ

---

[1] ان" غریبوں" کے لئے مولانا مودودی صاحب کے دل میں کتنا درد ہے؟ اس کا اندازہ اس سے
(بقیہ ص۵۹ پر)

اگر تقسیم کے بعد ہندوستانی اور پاکستانی مسلمانوں کا مستقبل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہو جانے والا تھا۔ تو کوئی وجہ نہ تھی کہ تقسیم سے پہلے دونوں کی پالیسی ایک ہوتی۔"

(۲) اس نے ہندوستانی مسلمانوں کو ایک ہفتہ پہلے بھی خبردار نہ کیا کہ تقسیم کے وقت ان پر کیا طوفان ٹوٹنے والا ہے؟ اگر فی الواقع اسے ان حالات کا اندازہ ہی نہ تھا۔ تو اس کی غفلت و بے خبری قابلِ ماتم ہے۔ اور اگر اس نے جان بوجھ کر مسلمانوں کو بے خبر رکھا تو اس غداری کے لئے اسے کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

(ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء ص ۷)

دوسرا جہاد اس پرچہ میں دوسرا جہاد جماعت اسلامی کے امیر جناب مودودی صاحب نے یہ کیا کہ اس میں یہ فتویٰ کشمیر شائع کیا کہ "پاکستان کے باشندوں کے لئے اس میں حصہ لینا اس وقت تک جائز نہیں جب تک ان کی نمائندہ حکومت اور حکومت ہند کے درمیان معاہدانہ تعلقات قائم ہیں۔" (ایضاً ص ۶۳)

حالانکہ انہیں یہ مسلّم تھا کہ
"کشمیر کے معاملہ میں حکومتِ ہند اور حکومتِ پاکستان کا کوئی معاہدہ نہیں

بقیہ حاشیہ:- ہوتا ہے کہ انہوں نے ۱۹۵۳ء کی تحقیقاتی عدالت میں بھارتی مسلمانوں کے متعلق یہ بیان دیا کہ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا اگر بھارتی حکومت مسلمانوں سے ملیچھوں اور شودروں کا سا سلوک کرے۔ ان پر منو کے قوانین کا اطلاق کیا جائے۔ اور انہیں حکومت میں حصہ اور شہریت کے حقوق نہ دیئے جائیں۔" (رپورٹ تحقیقاتی عدالت اردو ص ۲۲۵)

ہوا ہے بلکہ یہ معاملہ ان کے درمیان مابہ النزاع ہے۔ اور حکومت پاکستان انڈین یونین کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو تسلیم کرنے سے انکار کر چکی ہے۔"
(ایضاً ص ۶۶ و ۶۷)

اس فتوے پر سکھ اخبارات نے ان کو "مردِ مجاہد" اور "شمعِ ہدایت" کے خطابات سے نوازا۔ ملاحظہ ہو "شیر پنجاب" بحوالہ نوائے وقت ۳۰ راکتوبر ۱۹۴۹ء)

تیسرا جہاد انگریزی دورِ حکومت میں جناب مودودی صاحب سے کسی نے دریافت کیا۔ کیا ــ کافر حکومت کے اندر رہتے ہوئے ــ یہ جائز ہے کہ آدمی لائسنس کے بغیر شکار کھیلے اور بغیر لیمپ کے راتوں کو موٹر یا بائیسکل چلائے۔ جناب مودودی نے جواب دیا۔
"اگر آپ ایسی حکومت میں رہتے ہیں تو انتظام ملکی کو برقرار رکھنے کے لئے جو ضابطے اس نے بنائے ہیں اور جو قوانین، بہرحال ایک منظم سوسائٹی کو بحال رکھنے کے لئے ضروری ہیں انہیں خواہ مخواہ توڑنا آپ کے لئے درست نہیں...... قانون شکنی کے معنے بدنظمی پیدا کرنے کے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ کے منشاء کے خلاف ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنی زمین میں نظم دیکھنا چاہتا ہے۔ نہ کہ بدنظمی۔ اس لئے اگر آپ خواہ مخواہ اس کی زمین کا نظم بگاڑیں گے تو اس کی تائید سے محروم رہیں گے۔"
(رسائل و مسائل ص ۴۶۳ و ۴۶۴)

یہی نہیں جب جناب مولوی مناظر احسن صاحب گیلانی نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تو آپ نے جواب دیا کہ

"ہندوستان بلاشبہ اس وقت دارالحرب تھا جب انگریزی حکومت
یہاں اسلامی سلطنت کو مٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس وقت
مسلمانوں کا فرض تھا کہ یا تو اسلامی سلطنت کی حفاظت میں جانیں
لڑاتے یا اس میں ناکام ہونے کے بعد یہاں سے ہجرت کر جاتے۔
لیکن جب وہ مغلوب ہو گئے۔ انگریزی حکومت قائم ہو چکی اور مسلمانوں
نے اپنے "پرسنل لاء" پر عمل کرنے کی آزادی کے ساتھ یہاں رہنا
قبول کر لیا۔ تو اب یہ ملک دارالحرب نہیں رہا"

(سود حصہ اوّل صے۔ حاشیہ از جناب مودودی)

برطانوی دور کے بعد آپ کے رفقاء نے یہاں پاکستان میں آ کر مملکت پاکستان
کے بارہ میں فرمایا:-

"اس جمہوری دور میں ریاست کے ساتھ ہمارا معاملہ اس توقع پر مبنی
ہے کہ یہ قطعی طور پر ایک اسلامی ریاست بنے گی — اگر ہماری
یہ توقعات پوری ہو گئیں تو اسلامی ریاست کی خدمت اور اس کی
وفاداری عین ہمارا جزوِ ایمان ہو گی اور اگر خدانخواستہ یہ ایک
غیر دینی ریاست (Secular State) بنا دی گئی۔ تو ہم
اس کی وفاداری کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں گے بلکہ اسے
ویسی ہی طاغوتی ریاست سمجھیں گے جیسی کہ سابق انگریزی
حکومت تھی" (پمفلٹ جماعت اسلامی کے اصول و مقاصد۔ طریق کار
نظام جماعت اور تازہ پروگرام" شائع کردہ شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی لاہور کشتری
۸/۱ مال لاہور صے)

پھر انہوں نے حکومت پاکستان کے خلاف شورش برپا کرتے ہوئے یہ کہنا
شروع کر دیا ؎

عزیزوں زلیخاؤں نے کر کے سازش، رکھا حرف عصمت پہ جن یوسفوں کی
وہ یوسف جو زنداں میں سڑتے رہے ہیں اب ان کے لئے تختِ تمکیں بچھا دو
یہ ترتیب الٹی ہے اس کو الٹ دو، یہ تنظیم باطل ہے اس کو بدل دو
جو نیچے دبے ہیں انہیں لا کے اوپر، جو اوپر لدے تھے اب انکو گرا دو
یہ مالی، یہ گل چیں یہ صیاد کیا ہیں، تمہاری یہ اپنی ہی کٹھ پتلیاں ہیں
انہیں برطرف کر کے نظمِ چمن سے پرانے چمن میں نئے گل کھلا دو
یہ بت ہیں تو بت ہی؟ خدا تو نہیں ہیں؟ ڈرو ان سے کیوں؟ خود ہی انکو گرا تھا
انہیں توڑ دو، پھوڑ دو، چور کر دو، بڑھو ان کو استھان پر سے گرا دو

(قاصد "انتخابات نمبر" صفحہ ۲۸ اگست ۱۹۵۰ء)

حضرات! یہ جماعت اسلامی کے مشہور راہنما جناب نعیم صدیقی کی ایک لمبی
نظم کے چند شعر ہیں جو اپنی تفسیر آپ ہیں۔ جناب نعیم نے نظم کے علاوہ نثر میں
بھی کھل کر ان خیالات کا اظہار فرمایا۔ اور واضح لفظوں میں کہا۔

"انقلاب قیادت کے داعی ہونے کی حیثیت سے جماعت کی دینی ذمہ داری
یہی ہے کہ وہ فاسد قیادت کو صالح قیادت سے بدلے۔ وہ اپنے
لئے کسی طرح اس بات کو جائز نہیں سمجھتی کہ زندگی کے سارے
معاملات فاسقین کے ہاتھوں میں رہیں اور وہ صالحین کو اپنے
ساتھ جمع کر کے ایک گوشۂ خمول میں پڑی رہے" (رسالہ ترجمان القرآن
جون ۱۹۴۹ء صے)

حکومتِ پاکستان کے خلاف جماعت اسلامی کا یہ پراپیگنڈا اتنی خطرناک صورت اختیار کر چکا ہے کہ جماعت اسلامی کے ایک ممتاز عالم مسعود عالم صاحب ندوی نے ایک عرب عالم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

"وہیں ایک صاحب علم ملے۔ جن کی نظر سے ترجمان القرآن کا تازہ پرچہ گذر چکا تھا۔ بولے تم لوگ حکومتِ پاکستان کے شاکی ہو اور یہ شکوہ ایک حد تک بجا بھی ہے مگر اس پرچہ میں جتنا کچھ نعیم صاحب نے لکھا ہے اگر اس کا عشر عشیر بھی یہاں لکھا جائے تو رسالہ کی ضبطی کے لئے کافی ہے"

(دیارِ عرب میں" صفحہ ۲۷ بحوالہ "جماعت اسلامی پر ایک نظر")

چوتھا جہاد

جماعت اسلامی اور اس کے امیر کا چوتھا جہاد ۱۹۵۳ء کی تحریک میں شمولیت ہے جسے جماعت اسلامی کے لٹریچر کی روشنی میں تحریک "ختم پاکستان" و "تحریک ختم اسلام" قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ تحریک اٹھانے والے کون تھے اور اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ اس کی تفصیل جناب نعیم صدیقی صاحب نے بایں الفاظ لکھی ہے :-

"بدقسمتی سے اس مسئلہ کو گذشتہ کئی سال سے ایسے عناصر لے کے چل رہے تھے جو ایک طرف اپنے سیاسی کردار کے لحاظ سے تعلیم یافتہ حلقوں میں کبھی وقار نہیں پا سکے ..... ان کی زبان اور ان کا اندازِ بیان بسا اوقات رکاکت اور ابتذال تمسخر اور استہزا کے حد کو چھو جانے کی وجہ سے کبھی اپیل نہیں کر سکے ..... مزید مشکل یہ کہ یہ عناصر مسئلہ کے حل کے لئے عوام کو تربیت دے دے کر اور منظم کر کے کوئی منصوبہ بند دستوری جدّ و جہد کرنے کی

صلاحیتوں سے خالی تھے اور ان کا طریقہ صرف اندھا دھند جوش و خروش پھیلا دینا رہا ہے ..... تحریک اسلام کے ایک بنیادی عقیدے کے تحفظ کے لئے اٹھائی گئی تھی۔ مگر اس کے دوران میں آتشزنی اور لوٹ مار کا وہ ہنگامہ ابل پڑا کہ جس پر جتنا افسوس بھی کیا جائے کم ہے.... ان واقعات نے تحریک کو بدنام کیا مقصد کو بدنام کیا۔ دین کو بدنام کیا۔ ان واقعات نے پاکستان کے دینی عناصر کی قوت گھٹائی ہے۔ اور ملحد عناصر کے ہاتھ مضبوط کئے ہیں"۔ (چراغ راہ مارچ ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۸-۱۹)

پانچواں جہاد

"قادیانی مسئلہ" کی تصنیف ہے۔ "قادیانی مسئلہ" کے لکھنے کا پس منظر کیا ہے؟ یہ ایک نہایت اہم بات ہے جس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔

جماعت اسلامی کے لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مودودی صاحب برسوں سے مسلمانوں کو الٹی میٹم دے چکے تھے۔ کہ ہم ۱۹۵۲ء تک نفوذ و اثر پیدا کر کے "اسلامی" انقلاب برپا کر دیں گے۔ (ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۵)

اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے جناب مودودی صاحب نے ۱۹۵۰-۵۱ء میں ملک بھر میں وسیع دورے کئے۔ چنانچہ خود ہی لکھتے ہیں۔

"میں نے ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۱ء میں تقریباً پورے پنجاب کا دورہ کیا ہے۔ اور شہروں کے علاوہ دیہاتی علاقوں تک بھی گیا ہوں"۔

(ترجمان القرآن جلد ۳۴ عدد ۱ صفحہ ۲۳ عدالتی بیان جناب مودودی)

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ جماعت اسلامی ایک سکیم کے تحت اندر ہی اندر بڑی

کے ساتھ ملک کے مختلف محکموں اور طبقوں اور شعبوں پر چھا جانے کی کوشش میں محو تھی۔ جس کا اعتراف خود جناب مودودی صاحب نے ۱۱ نومبر ۱۹۵۱ء کو کراچی میں ان الفاظ سے کیا کہ

"ہم اپنے ارکان اور کارکن متفقین کو ان کی صلاحیتوں کے لحاظ سے مختلف حلقوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر ایک کے سپرد وہ کام کرتے ہیں جن کے لئے وہ اہل تر ہو — ان میں سے کوئی شہری عوام میں کام کر رہا ہے کوئی کسانوں کی طرف متوجہ ہے۔ اور کوئی مزدوروں کی طرف — کوئی متوسط طبقے کو خطاب کر رہا ہے۔ اور کوئی اونچے طبقے کو۔ کوئی سرکاری ملازمین کی اصلاح کے لئے کوشاں ہے۔ اور کوئی تجارت پیشہ اور کوئی صنعت پیشہ لوگوں کی اصلاح کے لئے۔ کسی کی توجہ پرانی درسگاہوں کی طرف ہے۔ اور کسی کی نئے کالجوں کی طرف ......

یہ سب اگرچہ اپنے الگ الگ حلقہ ہائے کار رکھتے ہیں، مگر سب کے سامنے ایک مقصد اور ایک سکیم ہے جس کی طرف وہ قوم کے سارے طبقوں کو گھیر کر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

("مسلمانوں کا ماضی و حال" صفحہ ۹۴)

اس گھیر کر لانے کی سازش سے ملک کے سبھی حلقوں میں ہیجان کا پیدا ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ جناب مودودی صاحب نے خود ہی اعتراف کیا ہے کہ

"جب تک ہم نے یہ قدم نہ اٹھایا تھا کسی نہ کسی طرح ہمیں برداشت کیا جا رہا تھا۔ مگر جونہی کہ یہ قدم ہم نے اٹھایا قیادتِ فاسقہ اور اس کے مددگار

سب کے سب بیک لخت بھڑک اٹھے پاکستان سے لے کر ہندوستان تک خطرے کی گھنٹی بج گئی۔ پرانے پرانے دشمن جو کبھی جمع نہ ہو سکتے تھے۔ اس خطرے کو آتے دیکھ کر متحد ہو گئے دیوبند اور بریلی گلے مل گئے۔ پیروں اور وہابیوں میں اتحاد ہو گیا۔ اہلحدیث اور منکرین حدیث متفق ہو گئے۔ قادیانیوں اور احراریوں نے مل کر لیگ کا دامن تھام لیا۔"

(جماعت اسلامی اس کا مقصد، تاریخ اور اس کا لائحہ عمل از جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی صفحہ ۱۰۵)

ملت اسلامیہ کی صفوں میں یہ خطرہ اس درجہ تشویشناک صورت اختیار کر گیا کہ سبھی مکاتیبِ فکر کی طرف سے ان کی جماعت کے خلاف متحدہ احتجاج بلند ہونا شروع ہو گیا۔ چنانچہ جناب مودودی صاحب خود ہی لکھتے ہیں:-

"یہاں تو پاکستان سے ہندوستان تک ہر طرف فتووں، پمفلٹوں، اشتہاروں اور مضامین کی ایک فصل اُگ رہی ہے جس میں کمیونسٹ، سوشلسٹ فرنگیت زدہ ملحدین، قادیانی، منکرین حدیث، اہلحدیث، بریلوی، اور دیوبندی سب ہی اپنے اپنے شگوفے چھوڑ رہے ہیں .... ہم نے ایسی کچی گولیاں[1] نہیں کھیلیں۔"

(ترجمان القرآن [illegible] ۱۹۵۱ء [illegible])

---

[1] جماعت اسلامی کی "کچی گولیوں" کے بارے میں "روداد جماعت اسلامی" حصہ سوم صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے: "میں مسلمانوں کی موجودہ سیاسی اور مذہبی جماعتوں میں سے کسی میں یہ صلاحیت نہیں دیکھتا کہ وہ ہماری بنائی ہوئی گولیوں کو ہضم کر سکے۔" [2] آگے لکھا ہے "یہ شیطان کی فصل ہے وہی اسے کاٹے گا۔"

حضرات! یہ امر کوئی غیر متوقع نہیں تھا بلکہ جناب مودودی صاحب کو پہلے ہی دن سے کھٹکا تھا کہ جب مسلمان قوم پران کے درپردہ عزائم بے نقاب ہو جائیں گے تو وہ ان کے خلاف یقیناً پوری قوت سے اُٹھ کھڑی ہوگی۔ چنانچہ آغاز کار ہی سے ان کے بعض رفقاء کار برملا یہ اظہار کر چکے تھے۔

"اس ملک کی جماعتوں میں سے کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جس سے اس مقصد کے لئے کوئی مدد ملنے کی توقع ہو۔ سب سے زیادہ جس قوم سے مدد ملنے کی امید ہو سکتی تھی وہ مسلمانوں کی قوم تھی لیکن میں نہایت صفائی کے ساتھ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں سے نہ صرف یہ کہ کسی مدد کی آپ کو توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ بلکہ ان کی طرف سے ایک شدید مزاحمت اور مخالفت کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔" (رودادِ جماعتِ اسلامی حصہ پنجم ص۸)

یہ تھا دراصل وہ "مودودی مسئلہ" جس نے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہر طرف اضطراب و تشویش کی بے پناہ لہر دوڑا دی تھی۔ اسی "مودودی مسئلہ" کے ہولناک اثرات و عوامل پر پردہ ڈالنے کے لئے انھوں نے "قادیانی مسئلہ" لکھا۔ اور اس کی وجہ تالیف یہ بتائی کہ تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد ابھی تک اس کی صحت و معقولیت کی قائل نہیں ہو سکی ہے۔ اور پنجاب و بہاولپور کے ماسوا دوسرے علاقوں خصوصاً بنگال میں ابھی عوام الناس بھی پوری طرح اس کا وزن محسوس نہیں کر رہے ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ان صفحات

میں پوری وضاحت کے ساتھ وہ دلائل بیان کر دیں جن کی بناء پر علماء نے بالاتفاق یہ تجویز پیش کی ہے"۔ (قادیانی مسئلہ طبع ہشتم ص۸)

وہ دلائل کیا تھے؟ جن کی بناء پر "علماء" نے "بالاتفاق" احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا؟ ان کا تجزیہ خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ کے لٹریچر میں پوری تفصیل سے آچکا ہے۔ مجھے اس کے دُہرانے کی ضرورت نہیں میں اس موقع پر مختصر طور پر صرف چند اصولی باتیں کہوں گا۔

(۱) جناب سیّد ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ایک پبلک لیکچر میں عوام کو نصیحت فرمائی کہ "ہماری پبلک میں کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو ایک طرف کی داستان سُن کر اس پر ایمان لے آتے ہیں اور صحیح رائے قائم کرنے کے لئے دوسرے فریق کی بات سُننا ضروری نہیں سمجھتے۔ یہ غلط عادت جب تک آپ کے اندر رہے گی آپ ہمیشہ جھوٹے پراپیگنڈا سے دھوکا کھاتے رہیں گے اور اپنے خیر خواہوں کو اپنا دشمن سمجھ کر اپنے بدخواہوں کی اغراض پُوری کرتے رہیں گے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کسی شخص، جماعت، یا اخبار کے خلاف کسی الزام کو اس وقت تک قبول نہ کریں جب تک خود اس کا بیان نہ سُن لیں۔ یہ اصول اپنی گرہ میں باندھ لیجئے۔ پھر انشاء اللہ کوئی آپ کو دھوکہ دینے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔" (دستوری سفارشات پر تنقید ص۲۴)

افسوس یہ زرّیں اصول جو انھوں نے دوسروں کے سامنے بڑے زوردار طریق سے پیش کیا تھا جماعت احمدیہ کے خلاف قلم اُٹھاتے ہُوئے یکسر فراموش کر دیا چنانچہ آپ کا کہنا ہے:-

"یہ نہایت ضروری ہے کہ جس تحریک پر بھی تنقید کی ہو اس کا غائر مطالعہ کرنا چاہیئے لیکن میری یہ حالت ہے کہ اگر میں قادیانی "ان کا" لٹریچر کی کوئی کتاب پڑھتا ہوں تو پندرہ منٹ کے بعد میرے سر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔"

(اخبار آزاد ۹ رنومبر ۱۹۵۰ء بیان جناب مودودی صاحب صہ۳)

میں پوچھتا ہوں۔ کیا یہ انتہاء درجہ کی خدا ناترسی نہیں کہ جناب مودودی صاحب جو آجتک اپنے قول کے مطابق پندرہ منٹ سے زیادہ جماعت احمدیہ کا لٹریچر پڑھنے کی توفیق نہیں پا سکے انہوں نے احمدیوں کو "غیر مسلم اقلیت" میں شامل فرما دیا۔

(۲) جیسا کہ میں پہلے عرض کر آیا ہوں "قادیانی مسئلہ" لکھنے کی ایک بھاری وجہ یہ بھی تھی کہ قبل ازیں "مودودی مسئلہ" ملک کے چاروں طرف چھڑا ہوا تھا۔ چونکہ بعض عناصر کی مسلسل اشتعال انگیزی نے عوامی مخالفت کا رُخ جماعت احمدیہ کی طرف پھیر دیا تھا۔ اس لئے جناب مودودی صاحب کو موقع مل گیا اور آپ نے اسے تحقیقاتی عدالت کے ججز کے الفاظ میں "قادیانی مسئلہ" کا بم پھینک دیا۔ ورنہ آپ کی نگاہ میں نہ تو ان علماء کی کوئی وقعت تھی جن کا مطالبہ تھا کہ احمدی غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جائیں اور نہ آپ عوام کو حقیقتاً مسلمان سمجھتے تھے۔ اسی طرح جناب مولانا کی نگاہ میں موجودہ "مسلم معاشرہ" کی بھی کوئی اہمیت نہ تھی جس سے کٹ جانے کا آپ نے اپنے اس رسالہ میں جماعت احمدیہ کو طعنہ دیا ہے۔ بلکہ یہ وہی "مسلم معاشرہ" تھا جس کی تصویر آپ یہ کھینچتے آرہے تھے کہ

"یہ انبوہِ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں۔ نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں نہ ان کا اخلاقی نقطہ نظر اور ذہنی رویّہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے۔ اس لئے یہ مسلمان ہیں۔"

(سیاسی کشمکش حصہ سوم طبع اوّل صہ۱۱۵)

پھر یہ وہی مسلم معاشرہ تھا جس کی مرثیہ خوانی کرتے ہوئے آپ برسوں سے منادی کر رہے تھے کہ

"اب ذرا اس قوم کی حالت پر نظر ڈالیئے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہے نفاق اور بدعقیدگی کی کونسی قسم ہے جس کا انسان تصور کر سکتا ہو اور وہ مسلمانوں میں موجود نہ ہو۔ اسلامی جماعت کے نظام میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اسلام کی بنیادی تعلیمات تک سے ناواقف ہیں۔ اور اب تک جاہلیت کے عقائد پر جمے ہوئے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو اسلام کے اساسی اصولوں میں شک رکھتے ہیں اور شکوک کی اعلانیہ تبلیغ کرتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو علانیہ مذہب اور مذہبیت سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں وہ بھی ہیں جو خدا اور رسولؐ کی تعلیمات کے مقابلہ میں کفّار سے حاصل کئے ہوئے تخیلات و افکار کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو خدا و رسول کے دشمنوں کو خوش کرنے کے لئے شعائرِ اسلامی کی توہین کرتے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو اپنے چھوٹے سے چھوٹے فائدے کی خاطر اسلام

کے مصالح کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچانے کے لئے آمادہ ہوجاتے ہیں جو اسلام
کے مقابلہ میں کفر کا ساتھ دیتے ہیں۔ اسلامی اغراض کے خلاف کفار کی خدمت
کرتے ہیں۔ اور اپنے عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ اسلام ان کو اتنا عزیز نہیں
کہ اس کی خاطر وہ ایک بال برابر بھی نقصان گوارہ کرسکیں۔
راسخ الایمان اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کی ایک نہایت قلیل جماعت
کو چھوڑ کر اس قوم کی بہت بڑی اکثریت اس قسم کے منافق اور بدعقیدہ
لوگوں پر مشتمل ہے۔" (تنقیحات طبع ہفتم ص۲۵۵-۲۵۶)

(۳) رسالہ "قادیانی مسئلہ" میں بنیادی بات صرف یہ تھی کہ
"قادیانی حضرات نے تاریخ میں پہلی مرتبہ خاتم النبیّین کی یہ نرالی تفسیر کی کہ
نبی صلے اللہ علیہ وسلم "نبیوں کی مُہر" ہیں۔" (قادیانی مسئلہ ص۶)
یہ عذر لنگ کہاں تک حقیقت کے مطابق ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کیلئے فقط اتنا
بتانا کافی ہے بزرگان سلف میں سے حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شیخ سعدی
شیرازی اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے تراجم قرآن میں خاتم کے معنے مہر ہی کے
لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں جناب مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی اور جناب مولوی
محمود الحسن صاحب دیوبندی نے جو جماعت احمدیہ کے شدید مخالف علماء میں سے تھے
اپنے ترجمہ قرآن میں خاتم النبیّین کے معنے یہ کئے ہیں "مہر سب نبیوں پر" اور اس کی
تشریح میں حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے کہ
"جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہوجاتے
ہیں اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی روح

محمدی صلعم پر ختم ہوتا ہے۔ بدیں لحاظ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ رتبی اور
زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیّین ہیں۔ اور جن کو نبوت ملی ہے آپ ہی کی
مُہر لگ کر ملی ہے۔"
یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ خاتم النبیّین کے معنے۔ ایسی مہر کے ہیں جس کے ذریعہ سے
ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی بنے ہیں۔
چند برس پہلے کی بات ہے کہ جماعت اسلامی کے ایک سابق ضلعی امیر رسالہ "الفرقان"
میں خاکسار کا جماعت اسلامی سے متعلق مفصل مقالہ پڑھ کر ربوہ تشریف لائے دوران
گفتگو میں عاجز نے ان کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض کیا۔ کہ اس تفسیر
سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ خاتم النبیّین کے معنے نبی بنانے والی مہر کے ہیں اب
اختلاف صرف اتنا رہ گیا کہ آیا وہ مہر جس سے نبی بنا کرتے تھے اب معاذ اللہ بیکار
ہوچکی ہے۔ یا وہ اب بھی کام کرسکتی ہے؟ ــ ہماری نگاہ میں وہ مہر اب بھی قائم
ہے اس کے نقش بھی قائم ہیں اور وہ اب بھی نبی بنا سکتی ہے مگر آپ جو محافظ
ختم نبوت کہلاتے ہیں اس مہر کی یہ عظیم الشان خصوصیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں
زمانے ختم نبوت اور تکمیل دین پر ایمان لانے کا یہ کون سا عاشقانہ انداز ہے؟
حضرات! مگر اسے خدائی تصرف کہنا چاہیئے۔ کہ وہی مودودی صاحب جنہوں
نے ۱۹۵۳ء میں "قادیانی مسئلہ" میں "نبیوں کی مُہر" کی تفسیر پر اعتراض کیا تھا چند
سال بعد اپنے رسالہ ختم نبوت میں یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے کہ خاتم النبیّین میں
خاتم کے معنی مہر کے بھی کئے جا سکتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی لکھا کہ "خاتم کے معنی ڈاکخانے

کی مہر کے نہیں ہیں جسے لگا کر خطوط جاری کئے جاتے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد وہ مہر ہے جو لفافے پر اس لئے لگائی جاتی ہے کہ نہ اس کے اندر سے کوئی چیز باہر نکلے نہ باہر کی کوئی چیز اندر جائے۔ ورنہ لیکن بند کرنے کے معنوں پر جناب مودودی صاحب نے نزول مسیح کا عقیدہ تسلیم کر کے خود اپنے قلم سے خطِ تنسیخ کھینچ دیا۔ اور صاف کھل گیا کہ خاتم سے مراد وہ مہر تو بہرحال نہیں ہو سکتی جو بند کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت مسیح کس طرح واپس آسکتے تھے۔

۴۔ "قادیانی مسئلہ" کا اثر ملک کے مختلف دماغوں پر کیا ہوا۔ اس کے لئے صرف دو مثالیں پیش کرنا کافی ہوگا۔

(الف) ڈاکٹر غلام جیلانی برق جماعت احمدیہ کے خلاف لٹریچر (بشمول قادیانی مسئلہ) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"آج تک احمدیت پر جس قدر لٹریچر علمائے اسلام نے پیش کیا ہے اس میں دلائل کم تھے اور گالیاں زیادہ۔ ایسے دشنام آلود لٹریچر کو کون پڑھے اور مغلظات کون سنے۔" ("حرف محرمانہ" صفحہ ۱۲)

(ب) جناب غلام احمد صاحب پرویز مدیر "طلوع اسلام" لکھتے ہیں:۔ "سب سے زیادہ اہمیت مودودی صاحب کے رسالہ "قادیانی مسئلہ" کو دیجاتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس رسالہ کے دلائل اسقدر لوچ ہیں کہ انکا تجزیہ کیا جائے تو وہ خود احمدیوں کے حق میں چلے جاتے ہیں۔" ("مزاج شناس رسول" صفحہ ۴۲۳)

۵۔ اس رسالہ سے بیرونی دنیا نے کیا تاثر لیا ہے؟ اس کے اندازہ کے لئے صرف ایک مثال کافی ہوگی۔ امریکہ کی ٹفٹس یونیورسٹی (Tufts University) میں تاریخ کے پروفیسر مسٹر فری لینڈ ایبٹ (Free Land Abbot) نے مڈل ایسٹ جرنل کی

سرمائی اشاعت (۱۹۵۸ء) میں جماعت اسلامی پاکستان کے متعلق ایک طویل تحقیقی مقالہ لکھا جو انکے دو سالہ ذاتی مطالعہ و مشاہدہ کا نتیجہ تھا۔ مسٹر ایبٹ نے "قادیانی مسئلہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔ "اس پمفلٹ میں خواہ علمی لحاظ سے کیسے ہی عمدہ دلائل کیوں نہ دیئے گئے ہوں۔ بہرحال ایک کشیدگی کی موجودگی میں اسکی اشاعت یقیناً کھچاؤ میں اضافہ کا باعث ہوئی۔ احمدی قبل ازیں ایک مدت سے جماعت اسلامی کی مخالفت میں بہت سرگرم رہتے تھے عین ممکن ہے کہ مولانا مودودی اس مخالفت سے سرگراں ہو چکے ہوں اور مولانا موصوف نے مسلم سوسائٹی سے ان لوگوں کے اخراج کا موقع غنیمت جان کر یہ پمفلٹ لکھا ہو اور انہیں اس بات کا خیال نہ آیا ہو کہ یہ پمفلٹ بھی کشیدگی میں اضافہ ہی کریگا...... مولانا مودودی کو اس وقت معلوم ہونا چاہئیے تھا کہ وہ درحقیقت ایک بہت بڑے آتشگیر بم سے کھیل رہے ہیں ان کا یہ عدم احساس درحقیقت ایک زبردست غیر ذمہ داری کے مترادف ہے۔" (ترجمہ) (بحوالہ "تحریک اسلامی نمبر" صفحہ ۳۶۵ چراغ راہ)

۶۔ "قادیانی مسئلہ" اور اس طرز کے دوسرے لٹریچر کا جماعت احمدیہ پر کیا اثر پڑا اس کا جواب شیخ محمد اکرام صاحب ایم۔ اے کے مندرجہ ذیل الفاظ میں بخوبی مل سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"قرآن نے مسلمانوں بلکہ مسلمانوں اور دوسری قوموں کے درمیان فوقیت پانے کا طریقہ یہ بتایا تھا کہ نیک کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں...... انسانی زندگی کا یہ اٹل قانون دورِ حاضر کے بعض مناظرین نے پوری طرح نہیں سمجھا۔ عیب جوئی مخالفت اور تشدد سے دوسرے فرقوں اور جماعتوں کی ترقی بند نہیں ہو سکتی۔ جو فرد اپنی جماعت کی ترقی چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نیک کاموں میں دوسروں سے بڑھ جائے۔ ہمارے بزرگوں

نے نظم ونسق مذہبی جوش اور تبلیغ اسلام میں مرزائیوں پر فوقیت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھا لی۔ بلکہ بیشتر فتووں اور عام مخالفت سے فتنہ قادیان کا سدباب کرنا چاہا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب کسی قوم کے ساتھ بیجا سختی کی جائے تو اس میں ایثار اور قربانی کی خواہش بڑھ جاتی ہے چنانچہ جب کبھی عام مسلمانوں نے قادیانیوں کی مخالفت میں معمولی اخلاق اسلامی تہذیب اور رواداری کو ترک کیا ہے تو ان کی مخالفت سے قادیانیوں کو فائدہ ہی پہنچا ہے ان کی جماعت میں ایثار اور قربانی کی طاقت بڑھ گئی ہے اور ان کے عقائد اور بھی مستحکم ہوگئے ہیں۔" (موج کوثر ص۱۹۳)

۷۔ جناب مودودی صاحب کا دعویٰ تھا کہ وہ اقامت دین کیلئے کھڑے ہوئے ہیں۔ مگر انہوں نے "لاتنابزوا بالالقاب" کے صریح قرآنی ارشاد کے باوجود اس رسالہ کا "نام قادیانی مسئلہ" رکھا۔ حالانکہ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے اپنی جماعت کا نام احمدی جماعت رکھا ہے اور اپنے معتقدین کو احمدی کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔ آپ سے نہایت ادب سے اس روش پر نظر ثانی کی درخواست بھی کی گئی مگر انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "عرف عام میں ان کا نام قادیانی رائج ہوچکا ہے۔"

(ترجمان القرآن جلد ۳۶ ع۵-۶ صفحہ ۴۰۳)

افسوس! عرف عام میں مشہور القاب ہی سے اجتناب کرنیکا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔ مگر آپ نے اسی "عرف عام" کو سند بنا لیا!! مگر میں بتانا چاہتا ہوں کہ یہ تو ان کا محض "عذر گناہ" تھا۔ وگرنہ "قادیانی" کا لفظ استعمال کرتے ہوئے ان کے سامنے ایک خاص وجہ تھی۔ جسے میں آپ ہی کے الفاظ میں تحریر کردیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"پروپیگنڈا کے کارگر نسخوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس گروہ کو آپ زک پہنچانا چاہیں اسے پہلے ایک نام دیجئے اور تمام برائیاں جو اس کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہوں ان سب کے معنی اس خاص نام میں پیدا کر دیجئے۔ پھر اس نام کا اتنا اشتہار کیجئے کہ جہاں وہ نام لیا گیا۔ اور فوراً سننے والوں کے سامنے ان ساری برائیوں کی تصویر آ جائے۔ جو آپ نے اس نام کے ساتھ وابستہ کردی ہیں۔ اس طرح لمبی چوڑی تقریروں اور تحریروں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی بلکہ ان سب کی جگہ صرف ایک لفظ زبان سے نکال دینے سے کام چل جاتا ہے۔ موجودہ زمانے میں مختلف جماعتوں نے اپنے پراپیگنڈا کے لئے اس طریقہ کو استعمال کیا ہے۔" (روداد جماعت اسلامی حصہ سوم ص۹۹ طبع دوم ۱۹۴۹ء)

۸۔ اس ضمن میں آٹھویں اور آخری اصولی بات میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جناب مودودی صاحب کا احمدیوں کو دستوری اور آئینی حیثیت سے "غیر مسلم اقلیت" قرار دیئے جانے کے مطالبہ کی تائید کرنا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے سراسر خلاف تھا۔ چنانچہ جناب مودودی صاحب ۱۹۳۹ء سے یہ حدیث رسول ؐ پیش فرماتے آرہے تھے کہ "جس شخص نے وہ نماز ادا کی جو ہم ادا کرتے ہیں، اس قبلہ کی طرف رُخ کیا جس کی طرف ہم رُخ کرتے ہیں اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ کا ذمہ ہے۔ پس تم اللہ کے دیئے ہوئے ذمے میں اس کے ساتھ دغابازی نہ کرو۔" ("مسئلہ قومیت" صفحہ ۲۴-۲۵ طبع پنجم)

(دستوری سفارشات پر تنقید ص۱۵ طبع ہفتم)

اس فیصلہ کن حدیث کے علاوہ وہ برسوں قبل ایک دوسری حدیث نبویؐ کی روشنی میں بتاتے آرہے تھے کہ

"یہ (ناجی۔ناقل) گروہ نہ کثرت میں ہوگا نہ اپنی کثرت کو اپنے برحق ہونے کی دلیل ٹھہرائے گا۔ بلکہ اس اُمت کے تہتّر فرقوں میں سے ایک ہوگا۔ اور اس معمور دنیا میں اس کی حیثیت اجنبی اور بیگانہ لوگوں کی ہوگی۔ جیسا کہ فرمایا ہے بدء الاسلام غریبًا وسیعود کما بدء فطوبیٰ للغرباء ھم الذین یصلحون ما افسد الناس بعدی من سنتی ...

پس جو جماعت محض اپنی کثرت تعداد کی بناء پر اپنے آپ کو وہ جماعت قرار دے رہی ہے جس پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ ..... اس کے لئے تو اس حدیث میں امید کی کوئی کرن نہیں کیونکہ اس حدیث میں اس جماعت کی دو علامتیں نمایاں طور پر بیان کر دی گئی ہیں ایک تو یہ کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طریق پر ہوگی دوسری یہ کہ نہایت اقلیت میں ہوگی" (ترجمان القرآن ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۸)

پس ان کا جماعت احمدیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا عدالت نبویؐ کے اس فیصلہ کے صریح خلاف تھا۔ ان کے نزدیک فیصلہ نبویؐ تو یہ بتاتا تھا کہ ۷۳ میں سے صرف ایک صحیح اور خالص مسلمان ہے۔ مگر وہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے یہ کہلانا چاہتے تھے کہ ۷۲ فرقے تو سچے

اور سچے مسلمان ہیں مگر صرف "قادیانیوں" کا اقلیتی فرقہ باطل پر ہے۔ اس وقت تو یہ بات غالبًا جماعت اسلامی اور ان کے امیر سے اوجھل ہوگئی۔ مگر اب پھر ان کے ذہنوں میں تازہ ہو رہی ہے۔ چنانچہ "چراغ راہ" کے تحریک اسلامی نمبر میں لکھا ہے:۔

"صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں میں پہلی بار جماعت اسلامی کے نمائندے منتخب ہوئے ہیں۔ آئندہ انتخابات میں انشاء اللہ جماعت اسلامی ایک مؤثر اقلیت کی حیثیت میں پارلیمانی سیاست کے اندر اُبھرےگی"

(چراغ راہ تحریک اسلامی نمبر صفحہ ۴۴۸)

چند اور کارنامے ایک نظر میں

حضرات! اگر وقت اجازت دیتا تو میں ان "مجاہدین" کے "سنہری" اور "قابل فخر" کارناموں پر ذرا اور تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے بتاتا کہ ان حضرات نے "اخوان المسلمون" سے ساز باز کی۔ اور اخوان لیڈر عبدالقادر عودہ سے تحریری معاہدہ بھی کیا (اخبار تسنیم ۲۵ دسمبر ۱۹۵۴ء) انہوں نے ابتداءً امریکی امداد قبول کرنے پر ملک کی خارجہ پالیسی پر زبردست تنقید کی۔ (چراغ راہ کا تحریک اسلامی نمبر صفحہ ۱۷۵/۱۷۶)

پھر خود ہی امریکہ کو اسلامی ممالک کی عوامی پارٹیوں سے رابطہ قائم کرنے کا مشورہ دیا (تسنیم ۶ دسمبر ۱۹۵۵ء)

جناب مودودی نے فہرست رائے دہندگان میں نام لکھانے کو "جہاد

فی سبیل اللہ۔ (تسنیم ۲۰ مئی ۱۹۵۸ء ص۲) قرار دے کر ووٹ
خریدنے کی کوشش کی اور اس کا نام مؤلفۃ القلوب (المنیر ۱۹ ۱۹۵۸ء) رکھا۔
نیز فتویٰ دیا کہ

"عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف
اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ
دیا گیا ہے" (ترجمان القرآن مئی ۱۹۵۸ء)

ازاں بعد الیکشن جیتنے کے لئے مارچ ۱۹۶۳ء کو رسالہ "ختم نبوت" شائع فرمایا
اور جب یہ تمام مراحل بخیر و خوبی طے ہو گئے تو غلافِ کعبہ کی نمائش سے ملک
میں بدعات کا دروازہ کھول دیا۔ اس دوران میں انہوں نے سعودی مملکت
کی پشت پناہی میں "تبلیغ اسلام" کے منصوبے بھی تیار کئے۔ اور ساتھ ساتھ
مطبوعہ خطبات کے ذریعہ سے عرب حکمرانوں کے خلاف پراپیگنڈا بھی جاری رکھا۔
(خطبات از جناب مودودی ص ۱۹۵/۱۹۶ طبع ہفتم)

اور بالآخر جیسا کہ پریس کے ذریعہ یہ بات منظرِ عام پر آ چکی ہے (جمعیتہ
الطلبہ کو آلہ کار بنا کر ملک میں خطرناک شورش برپا کرنے کی کوشش کی
اور سمجھ لیا گیا کہ ترکی کی طرح یہاں بھی طلبہ کے ذریعہ حکومت کا تختہ الٹا جا سکتا
ہے۔ غرض کہاں تک بیان کیا جائے "اسلام" کے ان علمبرداروں
"مجاہدوں"، "غازیوں" اور "سرفروشوں" کے کارنامے تو اس کثرت سے ہیں۔
کہ ایک نشست میں ان کا شمار کرنا بھی ممکن نہیں۔ کجا یہ کہ ان پر کچھ تفصیل
سے روشنی ڈالی جا سکے۔ لہٰذا مجھے افسوس ہے اور اس کے لئے میں

آپ سب بزرگوں اور دوستوں سے معذرت خواہ بھی ہوں کہ رعایتِ وقت کے پیشِ نظر
"جماعت اسلامی" کے "میادین الجہاد" میں سے آپ کی خدمت میں صرف
چند میدانِ جہاد ہی رکھ سکا ہوں۔ اور وہ بھی اجمالاً۔ غالباً یہی وہ معرکے ہیں۔
جن کا تصور کر کے جماعت اسلامی کے شعراء اپنے کارکنوں کی تعریف میں رطب
اللسان ہو کر یہاں تک نغمہ سرائی فرما رہے ہیں کہ

مجاہدوں کے سے انداز غازیوں کی سی چال
یہی تو حق و صداقت کے ہیں علمبردار
(چراغِ راہ تحریکِ اسلامی نمبر ص۲۴۳)

یہ قافلۂ شوق، یہ مردانِ جہاں گیر
گفتار میں کردار میں اسلام کی تصویر
یہ صاحبِ لولاک یہ اللہ کی شمشیر
بے باک و جری، صف شکن و معرکہ آرا
ہیبت سے ہمہ آب ہے ان کی دلِ خارا
(چراغِ راہ تحریکِ اسلامی نمبر ص۳۰ و ۳۱)

اس پر بس نہ کرتے ہوئے جماعت اسلامی کے لیڈروں نے یہ کہکر اپنے ان
"بے باک" اور "صف شکن مجاہدوں" کے لئے "جہادِ الیکشن" کی تیاری کا بگل دے
دیا ہے۔ کہ

"جماعت کو ابھی سے تیاری کرنی چاہیئے۔ ...... اپنے تئیں مختلف حلقہ ہائے
انتخاب سے اس طرح نمایاں کرنا چاہیئے۔ کہ وہ اس علاقہ کے عوامی

راہنما بن جائیں۔ اور پھر انہیں کو بنیادی جمہوریتوں، صوبائی اسمبلیوں
اور قومی اسمبلی کے لئے انتخابات میں کھڑا کیا جائے "
(تحریک اسلامی نمبر ص۲۶)

میں اس پہ جناب مجید صاحب لاہوری کے الفاظ میں صرف اتنا کہوں گا ؎

چندہ بھی دیا جنگ میں بھرتی بھی کرائی
دادا نے میرے مکہ پہ گولی بھی چلائی
اور باپ نے انگریز سے جاگیر بھی پائی
ہمت نے میری جیتی تھی جرمن کی لڑائی
پھر خیر سے آیا ہے الیکشن کا زمانہ
میں خان بہادر ہوں مجھے بھول نہ جانا

مستقبل کے لئے لائحہ عمل

حضرات! آئندہ الیکشن میں کامیاب ہو جانے کے بعد "جماعت اسلامی" کیا جہاد کرنے والی ہے؟ اس کا نقشہ جماعت کے امیر جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے قلم سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس دل ہلا دینے والے اور لرزا دینے والے "جہاد" کا تذکرہ کرنے سے پہلے ضروری سمجھتا ہوں کہ فرقہ ہائے اسلام کے بارے میں آپ کا نظریہ بھی بتا دوں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"خدا کی شریعت میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی بنا پہ اہلحدیث، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سُنی وغیرہ الگ

الگ اُمتیں بن سکیں یہ اُمتیں جہالت کی پیدا کی ہوئی ہیں"
(خطبات صفحہ ۷۰، بار ہفتم از جناب مودودی صاحب)

اس نظریہ کی روشنی میں اب میں جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا وہ اعلانِ عام پیش کرتا ہوں جو انہوں نے "جہالت کی پیدا کی ہوئی ان امتوں" کو ختم کرنے کے لئے برسوں سے کر رکھا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"جس علاقہ میں اسلامی انقلاب رونما ہو وہاں کی مسلمان آبادی کو نوٹس دے دیا جائے کہ جو لوگ اسلام سے اعتقاداً وعملاً منحرف ہو چکے ہیں۔ اور منحرف ہی رہنا چاہتے ہیں۔ وہ تاریخ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اظہار کر کے ہمارے نظام اجتماعی سے باہر نکل جائیں۔ اس مدت کے بعد ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوتے ہیں مسلمان سمجھا جائے گا۔ تمام قوانین اسلامی ان پر نافذ کئے جائیں گے۔ فرائض و واجبات دینی کے التزام پر انہیں مجبور کیا جائے گا اور پھر جو کوئی دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا"

(ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں ص۸۱)

یہ قتل خفیہ رنگ میں نہیں کھلم کھلا ہو گا۔ چنانچہ "دستور جماعت اسلامی" میں لکھا ہے:۔

"جماعت اپنے نصب العین کے حصول کی جدّوجہد خفیہ تحریکوں
کی طرز پر نہیں کرے گی۔ بلکہ کھلم کھلا اور اعلانیہ کرے گی۔"

(دستور جماعت اسلامی مجریہ ۱۹۵۷ء صلا۲۶ طبع دوم)

۵ انگور کی شراب کا پینا حرام ہے
انسان کا لہو پیو، اذنِ عام ہے

اختتام

مگر میرے بزرگو اور عزیزو! ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو ان خونی منصوبوں سے انشاء اللہ محفوظ رکھے گا۔ اس لئے کہ اب خدا کی تقدیر میں مسلمانوں کے تباہ ہونے کا نہیں بلکہ دنیا کی باگ ڈور سنبھالنے کا زمانہ قریب سے قریب تر آ رہا ہے۔ چنانچہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کو خدا تعالےٰ نے الہاماً خبر دے رکھی ہے:۔

"بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنارِ
بلند تر محکم افتاد۔"

خوش ہو کہ تیرا وقت قریب آچکا ہے اور مسلمانوں کا قدم ایک
بلند و بالا مینار پر مضبوط ہونے والا ہے۔

اس کے علاوہ ۱۸۸۳ء میں جبکہ اسلامی دُنیا مردِ بیمار کی طرح سسک رہی تھی اور مراکش سے انڈونیشیا تک مسلمانوں پر سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی اور کوئی روشنی کی کرن دکھائی نہ دیتی تھی۔ حضور کو عالمِ رویاء میں

دُنیائے اسلام کی عالمگیر ترقی و سربلندی کا نظارہ دکھایا گیا۔ اور بتایا گیا کہ "عنایاتِ الٰہیّہ مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی کی طرف متوجہ ہیں
اور یقینِ کامل ہے کہ اس قوتِ ایمان اور اخلاص اور توکّل کو جو مسلمانوں
کو فراموش ہوگئے۔ پھر خداوند کریم یاد دلائے گا۔ اور بہتوں کو اپنے
خاص برکات سے متمتّع کرے گا۔ کہ ہر برکت ظاہری اور باطنی اس کے
ہاتھوں میں ہے۔" (تذکرہ طبع دوم صفحہ ۶۱-۶۲)

اس الہام اور رویاء کے علاوہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو پاکستان کے متعلق یہ الہامی دعا بھی سکھائی گئی۔ کہ "خدایا پاک زمین میں مجھے جگہ دے۔" اور اس کے بارے میں آپ کو تفہیم ہوئی کہ "یہ ایک روحانی طور کی ہجرت ہے۔"

(رسالہ دافع البلاء صلا۲۱ مطبوعہ اپریل ۱۹۰۲ء)

اس روحانی ہجرت کا ظاہری پہلو چونکہ حضور کے نائب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہجرت سے پورا ہو چکا ہے اس لئے ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو تباہی سے بچائیگا۔ اور اس کے ذریعہ سے اسلام کا جھنڈا بلند سے بلند تر ہوتا جائیگا۔ چنانچہ خود حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے پاکستان میں ہجرت کے بعد جماعت احمدیہ کے پہلے سالانہ جلسے پر فرمایا تھا کہ

"پاکستان کا مسلمانوں کو مل جانا اس لحاظ سے بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے
کہ اب مسلمان کو اللہ تعالےٰ کے فضل سے سانس لینے کا موقع میسّر آگیا ہے
اور وہ آزادی کے ساتھ ترقی کی دوڑ میں حصّہ لے سکتے ہیں اب اُنکے سامنے ترقی
کے اتنے غیر محدود ذرائع ہیں کہ اگر وہ ان کو اختیار کریں تو دنیا کی کوئی

قوم ان کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتی ۔ اور پاکستان کا مستقبل نہایت ہی شاندار ہو سکتا ہے ۔ ہم نے اسلام کی پرانی شوکت کو پھر قائم کرنا ہے ۔ ہم نے خدا تعالیٰ کی حکومت دنیا میں پھر قائم کرنی ہے ۔ ہم نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حکومت دنیا میں قائم کرنی ہے ۔ ہم نے عدل اور انصاف کو دنیا میں قائم کرنا ہے اور ہم نے عدل وانصاف پر مبنی پاکستان کو اسلامک یونین کی پہلی سیڑھی بنانی ہے ۔ یہی اسلامستان ہے جو دنیا میں حقیقی امن قائم کرے گا ۔ اور ہر ایک کو اس کا حق دلائے گا ۔ جہاں روس اور امریکہ فیل ہوا وہاں صرف مکّہ اور مدینہ ہی انشاء اللہ کامیاب ہوں گے "۔

(الفضل ۲۴ / مارچ ۱۹۵۶ء ص ۷-۸)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

طبع اوّل ۱۰۰۰ تاریخ اشاعت مارچ ۱۹۶۴ء